چندہ سالانہ
پانچ روپے

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پندرہ روزہ

تعمیر حیات
لکھنؤ

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۶۴ء

مدیر — سید محمد الحسنی
معاون — سعید الاعظمی ندوی

فی کاپی
(۲۵)
نئے پیسے

22948
Regd. No. L. 198

TAMEER-E-HAYAT

DARUL ULOOM NADWATUL ULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنتی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۶۵/۔ ، حصہ دوم ۷۵/۔ حصہ سوم ۱/۷۵

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۱/۶

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن، ادب کی لطافت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۔

مختارات

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۸/ حصہ دوم ۸/

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑ دکھے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن، یو پی

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یو پی

Printed at CHOWDHRY PRESS, 7, Zamir Mansion, Gwynne Road, LUCKNOW-1. Phone: 27786

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابوالعرفان ندوی، قائمقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء

فی کاپی ۲۵ نئے پیسے

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ
منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے
ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پُرزور گذارش ہے کہ حوصلہ مندی سے
عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ———— 200 - 00
معاونین سے ———— 100 - 00 / 50 - 00
اعزازی خریداران سے ———— 25 - 00

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فریر روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

اسلامیت اور مغربیت

مسلم ممالک میں — اسلامیت اور مغربیت — کی کشمکش

- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کی مستند تاریخ
- مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقا کی کہانی
- مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ
- اُن کے اسباب و محرکات اور اُن کا علاج
- مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین
- اور عصر حاضر میں اُن کے کردار و پیغام کی تشریح

تالیف: — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کاغذ اعلیٰ طباعت فوٹو آفسٹ مجلد قیمت پانچ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم

از — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

- سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
- حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
- سوانح حیات • صفات و کمالات • تجدیدی و اصلاحی کارنامے
- خلفاء و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،

ابتداءً ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!

قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

پندرہ روزہ
تعمیر حیات لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱ نمبر ۲۰

سالانہ ۵/- روپے
فی پرچہ ۲۵ نئے پیسے

۲۵ اگست ۱۹۶۴ء مطابق ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشاورتی اجتماع کے بعد!

محمد الحسنی

مسلم سربراہوں کے اس مشاورتی اجتماع نے جو ۸، ۹ اگست کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا ایک مرتبہ اس بات کو پھر واضح کر دیا کہ اسلام اور مسلمانوں سے مایوس ہونے یا مستقبل کی طرف سے ہراساں ہونے کی مطلق ضرورت نہیں، اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اخلاص اور بصیرت کی شمع اب بھی روشن ہے اور اس میں دلوں کو فتح کرنے اور مشکل سے مشکل حالات میں راہ پیدا کرنے کی صلاحیت اب بھی موجود ہے۔

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

خدا کی اس عظیم نعمت اور اس تاریخی کامیابی پر تمام مسلم زعماء اور عام مسلمانان ہند مبارکباد اور تہنیت کے مستحق ہیں اور اسی کے ساتھ ان کے سر پر ذمہ داریوں کا ایک بڑا بوجھ بھی پڑ رہا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس اہم ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برا ہوتے ہیں۔

مشاورتی اجتماع کا سب سے پہلا کام کیا ہونا چاہیئے؟

یہ ایک قدرتی اور ضروری سوال ہے جس پر ہماری جد وجہد کی کامیابی و ناکامی کا بڑی حد تک انحصار ہے۔ ہمارے خیال میں وہ پہلا کام جسکو پوری طاقت کے ساتھ اور بلا کسی تاخیر کے شروع ہو جانا چاہیئے اور جو اس بھاری جد وجہد کا بوجھ سنبھال سکتا ہے اور ہر محاذ اور ہر مہم میں کامیابی و ظفرمندی سے ہم کنار کر سکتا ہے، وہ ہے ملک گیر پیمانہ پر مسلم عوام سے گہرا رابطہ،

ایسا عملی اور موثر رابطہ جس سے بیک وقت کروروں انسانوں تک اپنی بات پہونچائی جا سکے، انکی رہنمائی کی جا سکے، اور جس طرح بجلی کا بٹن دباتے ہی سارے تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے اور سارے بلب روشن ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ ایک ایسا مرکز ہو جسکا ملک کے ہر شہر اور ہر ضلع سے لمحہ بہ لمحہ تعلق ہو اور یہ اتصال کسی وقت نہ ٹوٹے۔

ہر جگہ اس نئی مجلس مشاورت کے پیغام کو پھیلانے والے اور اس پر عمل درآمد کرنے والے کارکن موجود ہوں، ان سے ہر وقت رابطہ رکھا جائے اور وہ اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا اپنا مقدس فرض سمجھیں، اسکے لئے ان تجاویز پر عمل درآمد کے علاوہ جو مشاورتی اجتماع میں طے کی گئیں ہیں۔ ایسی تدابیر اور انتظامات پر غور کرنا بیحد ضروری ہے۔ جس سے اس جد وجہد اور دعوت کو صحیح معنوں میں علمی اور عوامی بنایا جا سکے یہانتک کہ جو نہیں دیکھنا چاہتے ان کو بھی نظر آجائے کہ اس جد وجہد کی پشت پر لاکھوں انسانوں کی صلاحتیں اور قوت عمل ہے اور لاکھوں انسانوں کے دلوں کی دھڑکنیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور جس طرح بلڈ پریشر کا آلہ خون کا دباؤ بتاتا ہے اور اس کا پارہ اسی کے مطابق گردش کرتا ہے اسی طرح یہ مجلس عمل مسلمانان ہند کے دل کی دھڑکن کا پیمانہ اور ان کے خون کی حرارت اور دباؤ جانچنے کا آلہ بن جائے اور کور چشم بھی یہ محسوس کریں کہ یہ تنہا مشاورتی مجلس کی آواز نہیں بلکہ پوری ملت کی آواز ہے اور پورا ملک اس کے لئے گوش برآواز ہے۔

یہ سمجھنا کہ مختلف مسلم جماعتوں اور مسلم سربراہوں کے اجتماع و اتحاد سے یہ بات حاصل ہو جائے گی، کافی نہیں، بدقسمتی سے ان جماعتوں اور سربراہوں کا بھی عوام سے اتنا رابطہ نہیں تھا جتنا ہونا چاہیئے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے لئے سوچ سمجھ کر کوئی ایسا منصوبہ بنایا جائے جو قابل عمل ہو اور جس سے یہ مقصد جلد از جلد حاصل ہو سکے۔

یاد رکھئے کہ ہماری آواز اور ہمارے مطالبات کی اس وقت تک کوئی قیمت نہیں جب تک کہ یہ محسوس نہ کر لیا جائے کہ اس کی پشت پر لاکھوں کارکن ہیں اور ملک کا کوئی حصہ ان سے خالی نہیں ہے اور ہر آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار اور ہر قسم کی اپنی جد وجہد کے لئے مستعد ہیں اور ہر شہر میں ایک ایسا سرگرم و باعمل گروہ موجود ہے جو اس جد وجہد کے مرکز سے ہمہ وقت تعلق رکھتا ہے اور اس کی ہر مہم اور ہر محاذ پر پیش پیش ہے۔

اگر یہ کر لیا گیا تو ہر محاذ اور ہر مہم میں کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور اگر اس سے غفلت برتی گئی تو معمولی سے معمولی کوشش دشواریوں کا شکار اور معمولی سے معمولی مطالبہ ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جائے گا اور مشکلات کے پہاڑ ہر قدم پر ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے۔

اے کاش کوئی سمجھے طرزِ فغاں ہماری

ابو الاسرار رمزی اٹاوی

ہے یادگارِ عالم ہر داستاں ہماری
دنیا رہی ہے ساری رطب اللساں ہماری

انصاف و حق کے حامی آزاد رہنے والے
پہچانتا ہے فطرت تاریخ داں ہماری

اہلِ قلم بھی ہم تھے اہلِ عَلم بھی ہم تھے
مشہور تھی جہاں میں کلک و کماں ہماری

ہم پر نثار ہوتے تھے آسماں کے تارے
جھک کر بلائیں لیتی تھی کہکشاں ہماری

آواز اپنی کیا تھی گویا نہیبِ فطرت
بجلی بھی ڈھونڈتی تھی ڈر کر اماں ہماری

سُن سُن کے کانپتی تھیں موجیں سمندروں کی
صحرا میں گونجتی تھی جس دم اذاں ہماری

چشمے ابل پڑے ہیں قلبِ زمیں سے فوراً
جس وقت پڑ گئی ہے ضربِ گراں ہماری

جنت کے گل سمجھ کر جنت سے کھیلتے تھے
تیغوں کی جنگ کیا تھی تفریحِ جاں ہماری

میدان میں جو اترے اک آگ سی لگا دی
اڑ کر فلک پہ پہونچیں چنگاریاں ہماری

اسلام کی شعاعیں میداں میں جلوہ فرما
توحید کی حرارت روحِ رواں ہماری

سورج کی اک کرن تھی تارِ نفس ہمارا
بجلی کا تیز ٹکڑا نوکِ زباں ہماری

اللہ اور احمدؐ، قرآن اور کعبہ
تھیں یہ ہی چار چیزیں جانِ جہاں ہماری

فیض و اثر سے جنکے شاداب زندگی تھی
زندہ تھا دل ہمارا رگ رگ جواں ہماری

اسلام سے مگر اب بیگانہ ہو رہے ہیں
الحاد کھو رہا ہے وہ عز و شاں ہماری

اب قوتِ عمل پر کیوں اوس پڑ گئی ہے
کیوں سرد ہو گئی ہیں سرگرمیاں ہماری

رمزی کا یہ ترانہ ہے درد کا فسانہ
اے کاش کوئی سمجھے طرزِ فغاں ہماری

حضرت مجدد الف ثانیؒ

کا

ایک غیر مطبوعہ رسالہ

از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں پی ایچ ڈی، ڈی لٹ سندھ یونیورسٹی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بعض تصانیف ہنوز شائع نہیں ہوئیں۔ آپ کا عربی رسالہ "اثبات النبوۃ" بھی ابھی تک شائع نہیں ہوا اور اس کے نسخے بھی کم یاب ہیں۔

یہاں اسی رسالہ کا تعارف مقصود ہے لیکن اس تعارف سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک فاضل کے بعض بیانات کا جائزہ لیا جائے جو ان کی ایک کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں ابھی چند روز ہوئے بالکل اتفاق سے نظر آئے ہیں۔ فاضل مصنف نے اکبر بادشاہ ۹۶۳ھ۔ ۱۰۱۴ھ اور اس کے ہم نشین فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اور ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) کو "صحت پسندی" اور "ترک شعارِ اسلام" (جس کا نام "تقلید سے بیزاری" اور "عقل سے نزدیکی" قرار دیا گیا تھا) کی وجہ سے سراہا ہے اور اس کے برعکس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور ان کے ہم خیال اور "جلالی رنگ" والے حضرات کی تنقید یا تنقیص میں بڑا زور صرف کیا ہے ——— ذیل میں اس کا وہ حصہ شائع کیا جا رہا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی سے متعلق ہے:

فاضل معترض نے کبھی کبھی کسی "مصلحت" کی بنا پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف بھی کر دی ہے لیکن تنقیص کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب حضرت پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا تو ایک رباعی (اسی رنگ کی) لکھی تو "مرشد نے فوراً انھیں ٹوکا اور ایک خط میں سختی سے سرزنش کی (ص ۲۱۶)" یہ سرزنش" اگر مرشد نے کی تو ہماری خوش ہونے کا مقام تو نہیں ہے۔ راہ سلوک میں ایسے بہت سے واقعات ہوتے ہیں اور مرشد اسی طرح اصلاح کیا کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ "جب حضرت مجددؒ نے ایک خط (مکتوب ہفتم) میں اپنے مقاماتِ عروج کا ذکر کیا تو حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) نے ایک طویل خط (رقعہ ہفتم) میں ان کی نسبت شبہ ظاہر کیا (ص ۲۱۷) معترض صاحب نے دراصل حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے رقعات کا اردو ترجمہ (مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان لاہور) مطالعہ فرمایا جس میں دو شبہوں کا ذکر ہے۔ لیکن وہ کیا باتیں ہیں جو ان کے درمیان ہو رہی تھیں ہم بھی سمجھ سکتے ہیں؟ ——— اگر نہیں تو پھر ان کے احوالِ باطنی پر نہیں بلکہ ہمارے حال پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ خانقاہ میرزا مظہرؒ (چتلی قبر دہلی) میں ان رقعات کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں یہ رقعہ ہشتم ہے اور وہ غالباً مکتوبات نمبر ۱۴، ۱۸۰ (دفتر اول) کے جواب میں ہے۔

" دیگر مکرر توجہ نمایند و ببینند کہ ترک مشغول ساختن مردم نسبت بما مرضی ہست یا نہ۔ ایضاً ایں جماعت کہ مصاحب مانید ایشاں را در صحبت دیگراں را فرستیم و خود مجرد باشیم مرضی ہست یا نہ۔ اندیشہ بادشاہ را در خاطر نیارند، غرض دیگر داریم، البتہ مکرر در اوقات نیک توجہ نمایند و بدستے معتمدے نوشتہ فرستند۔ اگر شیخ نور بنقطۂ فوق رسیدہ باشد شیخ نور بیارد و دیگر اسرار محفوظ دارد۔ چنانچہ خصوصیت آں مقام نسبت بحضرت ختم الخلافت اظہار نکنند، مردم در غلط می افتند سبب فساد عقیدہ می شود۔ والسلام"

اس عبارت میں بار بار توجہ" اور مکرر توجہ" کے لئے فرمایا گیا ہے وہ اسی لئے تو ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و استخارہ پر اعتماد تھا اور شیخ نور کو بھی" طی مراحل" کے لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ" نقطۂ فوق" تک پہنچ جائیں البتہ حضرت مجددؒ کو اظہار مکشوفات کے لئے منع فرمایا تھا کیونکہ ہر شخص ایسے اسرار سمجھنے کا اہل نہیں۔ پھر جو دو شبہات اپنے رقعہ عالیہ میں ظاہر فرماتے تھے وہ اغلب ہے کہ اس خیال کے تحت ہوں کہ اگر کوئی غیر شخص ایسے اسرار معلوم کرے تو وہ شبہات کی وجہ سے صاحبِ حال کے متعلق بدظنی ذکر سکے۔ آج بھی اس سلسلے کے محتاط بزرگ تم اطوار کے لئے ایسا ہی کیا کرتے ہیں مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے بعض مخلصین کو کسی جگہ بھیجنے کے سلسلے میں حضرت مجددؒ سے مشورہ لیا ہے اور یہ بھی ظاہر فرمایا کہ بادشاہ[1] کا اندیشہ دل میں نہ لائیں کیونکہ میرا مقصد اور ہے ——— "اندیشہ" کے معنی اردو میں "خوف" آتے ہیں لیکن اگر یہی معنی فارسی میں بھی لئے جائیں تب بھی یہاں بعض مخلصین کو کسی جگہ بھیجنے ہی کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے کہ "غرض دیگر داریم"

اس کے بعد معترض صاحب نے نہیں معلوم کس مقصد سے وہ نصائح بھی درج کر دی ہیں جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمائی تھیں ..... اور اس سلسلے میں تقویت و ترقی کے لئے عموماً طور پر کی جاتی ہیں۔ پھر فاضل گرامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔ " شاید ان خلفاء کو حضرت مجددؒ کی بعض باتیں کھٹکتی تھیں (ص ۲۱۷)" اس کے لئے انھوں نے معلوم نہیں کیا مقصد پیش نظر رکھا ہے لیکن ایسا ممکن بھی ہے کیونکہ ان خلفاء کا وہ مقام نہیں جو حضرت مجددؒ کا ہے اور درخت اپنے پھلوں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

پھر محترم نے حضرت مجددؒ کے ایک خلیفہ بدیع الدین کا ذکر کیا ہے جو کبھی عشق مجازی میں بھی گرفتار رہ چکے ہیں لیکن پھر حضرت کی توجہ سے اصلاح پذیر ہوئے۔ محترم نے لکھ دیا کہ وہ ایک غیر مسلم عورت کی محبت میں مبتلا ہوئے تھے تو اسلام ہی کو جواب دے بیٹھے تھے۔ جب اس سے نجات پائی اور سلوک کی طرف توجہ کی تو اپنے فطری ذوق و شوق کی مدد سے بڑی ترقی حاصل کی (ص ۲۱۰)

بدیع الدین کا اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنا نہ جانے کہاں سے لیا گیا ہے۔ "زبدۃ المقامات"[2] میں تو صرف یہ قول آتا ہے کہ "ہم دراں سال کہ خدمت حضرت ایشاں بجھیلی بودم مرا بہ یکے از جوانان صاحب جمال تعلقے بود ..."

[1] ابھی کچھ دن ہوئے محترم نے زبانی فرمایا تھا کہ اکبر حضرت خواجہ سے بیعت بھی ہو گیا تھا اس لئے خواجہ صاحب نے کہا تھا کہ بادشاہ کی طرف سے دل میں اندیشہ نہ لائیں لیکن بیعت کے لئے کوئی مستند شہادت موجود نہیں اور مذکورہ بالا عبارت کا یہ مطلب بھی نہیں۔

[2] زبدۃ المقامات از محمد ہاشم کشمی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ ص ۲۹۴۔ حضرات القدس از خواجہ بدر الدین (ترجمہ) ...

(باقی ص ۳۴ پر)

چند روز دیارِ غیر میں

یورپ کی کہانی ایک ندوی سیاح کی زبانی

(۱)

مولانا عبداللہ عباس ندوی

یوروپ دیکھنے کا شوق مجھے تھا، ایک تو اس لئے کہ ذرا تہذیب حاضر کے اونچے صنم کو قریب سے دیکھیں جسکا نہ صرف ہمارے ملک بلکہ پورے مشرق میں کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا پتہ لگائیں کہ مغرب کی مادہ پرستی نے روح اور انسانیت کے مطالبات سے روگردانی کے بعد کیا حاصل کیا اس نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ مسافر کو مسرت ہے کہ اس کا یہ شوق پیدا ہوا اور اس کی نگاہ جستجو کو ناکامی کا گلہ نہیں ہے اس کا ضمیر مطمئن ہے کہ اقبال کی زبان میں "جسے کارگہ شیشہ گراں" کو جتنا کھوکھلا سمجھا تھا اس سے زیادہ کھوکھلا، تہی دامن اور تاریک پایا اور تعجب اس قوم پر تو نہیں ہوا جو اسی تمدن کی پروردہ ہے کیونکہ اس کی مثال ایک پیدائشی نابینا کی ہے جس کے نزدیک الوان ومرئیات اور ان کی باہمی تمیز بے معنی شے ہے، ہاں حیرت اپنے مشرقی بھائیوں پر ضرور ہوئی۔ جو مغرب کی نقالی میں خود اہل مغرب سے بازی لے گئے ہیں اور یورپ کی مدافعت میں اقوام یورپ سے زیادہ سرگرم نظر آتے ہیں۔

سفر کی ابتداء مکہ مکرمہ سے ہوئی۔ پہلی منزل بیروت تھی جہاں جدہ سے ڈیڑھ گھنٹہ کی فضائی پرواز کے بعد صبح ۸ بجے پہونچ گئے تھے میں یہاں اپنے قارئین کا وقت ان تفصیلات میں ضائع نہیں کروں گا، جو سامان سفر کی تیاری، پاسپورٹ و ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کی رسمی کارروائیوں سے متعلق ہیں کیونکہ ان میں نہ کوئی ندرت ہے اور نہ کوئی دلچسپی کی بات، ہر مسافر کو ان منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

بیروت میرے لئے کوئی نئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں کئی بار آچکا ہوں، یہ لبنان کا دارالسلطنت اور قاہرہ کے بعد مشرق وسطیٰ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ معاشرت اول تا آخر مغربی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہاں کی زبان عربی ہے لیکن انگریزی اور فرنچ عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے عرب کی دوسری ریاستوں کے درمیان اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مغربی طرز کی سیکولر جمہوری حکومت ہے، کیونکہ دوسرے عرب ممالک میں یا تو بادشاہی نظام ہے یا پھر استبدادی ڈکٹیٹرشپ، لفظ "جمہوریہ" کی حیثیت صرف قافیہ یا سائن بورڈ کی ہے لبنان اس معاملے میں منفرد ہے کہ یہاں بڑی یا بھلی جمہوریت ہے اور آزادیٔ رائے کے معاملہ میں اگر دوسرے عرب ممالک میں تفریط ہے تو یہاں افراط۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی برسراقتدار صدر ریاست کی ذات تنقید سے بالاتر سمجھی جاتی ہے اس کا نام لے کر گالیاں نہیں دی جاتیں اس کے کارٹون نہیں بنائے جاتے مگر لبنان کے اس دارالحکومت میں یہ بھی روا ہے، بیروت کی دوسری خصوصیات یہ ہے کہ یہ اس علاقے (مشرق وسطیٰ) میں تمام سازشوں اور تخریبی عناصر کا اڈہ ہے ہر رجحان وفکر کے لوگ یہاں ملیں گے، ہر تحریک کے لئے یہاں زمین سازگار ہے، مختلف عرب ممالک اور متعدد بیرونی ممالک اپنے پروپیگنڈہ کے لئے یہاں سے اخبار نکلواتے ہیں متعدد لیڈروں کے یہاں خون ہو چکے ہیں ہر کام کے لئے کرایے پر آدمی مل جاتے ہیں۔

ایک صاحب نے بیروت کی یہ تعریف کی کہ یہاں "ہر شخص کے لئے ہر شے موجود ہے یہاں تک کہ اگر کوئی خودکشی کرنا چاہے تو اس کے لئے بھی ایک روایتی جگہ موجود ہے جسکو "صخرۃ الانتحار" کہتے ہیں" یوں تو رقبہ آبادی کے لحاظ سے پورا لبنان ہندوستان کے ایک چھوٹے سے ضلع کے برابر ہوگا۔ مگر یہاں ۱۵ وزیروں کی کابینہ ہے آبادی کی تقسیم یوں بتائی جاتی ہے کہ ۶۰ فیصدی عیسائی اور ۴۰ فیصدی مسلمان ہیں، مسلمانوں میں ۴۵ فیصدی شیعہ ہیں اس لئے دستور کے مطابق صدر ریاست ہمیشہ عیسائی اور وزیر اعظم مسلمان (سنی) اور نائب وزیر اعظم یا وزیر داخلہ شیعہ ہوگا ان کلیدی عہدوں کی تقسیم مذہبی بنیاد پر ضرور ہے مگر مسلمانوں اور عیسائیوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ معاشرت، طرز فکر، اخلاقی معیار سبھوں کا یکساں ہے عیسائی اور شیعہ تو اپنے مخصوص رسوم ورواج کی حد تک اپنے مذہب کے پابند ہیں مگر جو قوم مسلمان کہلاتی ہے اس کی زندگی میں تلاش کرنے پر بھی کوئی علامت ایسی نہیں ملے گی جس سے اس کی تمیز وشناخت ممکن ہو۔ محکمہ اوقاف کے تحت دوچار آسامیاں ایسی ہیں جو مذہبی علم رکھنے والوں کو ہی دی جا سکتی ہیں اس لئے گنتی کے دوچار افراد پورے ملک میں ایسے ملیں گے جو اپنا تعارف سلمانان عالم کی حیثیت سے کراتے ہیں ان کو یہاں کی مقامی اصطلاح میں "رجال الدین" (مذہبی لوگ) کہا جاتا ہے ان کا لباس خاص ہوتا ہے، پتلون، قمیص ٹائی واسکٹ اور اس کے اوپر سے ایک سیاہ گون ٹخنے تک کا، سر کے اوپر ترکی کلاہ پر منڈھی سفید پگڑی، داڑھیاں اکثر کی صاف رہتی ہیں، ایک دو ایسے ہیں جو بوڑھے ہونے پر معمولی خشخشی داڑھی رکھ لیتے ہیں۔ ان کا کام مسجدوں میں خطبہ دینا اور نکاح ونماز جنازہ پڑھانا ہوتا ہے اور اس کی حکومت سے تنخواہ ملتی ہے۔

لیکن اسلام کا معجزہ ہے کہ سخت سے سخت اور تاریک سے تاریک حالات میں بھی کہیں نہ کہیں ایمان کا دیا ٹمٹماتا رہتا ہے۔ اسی لبنان میں جسکو لوگ "ماخورۃ العرب" (عرب کی غلاظت پھینکنے کی جگہ) کہتے ہیں یہاں عبادالرحمٰن نامی جماعت بھی موجود ہے جو دراصل الاخوان المسلمون کی شاخ ہے مگر جب مصر میں اس تحریک پر کوہ ستم ٹوٹا تو اس کا نام بدل کر لبنان میں کام جاری رکھا گیا اور اس کے روح رواں شیخ عمر داعوق ہیں جن کی بدولت اسلام کے نام لیوا دین کی تڑپ رکھنے والے اور حیا وعفاف کے داعی چند نوجوان ایک مرکز پر جمع ہیں۔ عبادالرحمٰن کی تربیت گاہ لائبریری اور مدرسہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ منکر وفواحش کے اس ظلمت کدہ میں اسلام کا یہ چراغ آندھیوں سے مقابلہ کرتا جا رہا ہے اس جماعت کا اپنا ایک آرگن بھی ہے جس کا نام "المجتمع" ہے

لبنان میں ذریعہ تعلیم دوسرے عرب ممالک کی طرح عربی زبان ہے مدارس کا انتظام ونصاب سرتاپا مغربی ہے ابتدائی تعلیم کے چھ سال، ثانوی کے چھ سال جس میں تین سال بعد متوسط کی سند دی جاتی ہے۔ جو مڈل کے برابر ہے پھر دوسرے تیسرے سال کے بعد ثانویہ عالیہ کی سند دی جاتی ہے جو ہندوستان کے لحاظ سے ہائر سکنڈری اسکول یا ایف اے کے برابر ہے پھر لبنان کی مشہور امریکن یونیورسٹی مشرق وسطیٰ کی اہم ترین یونیورسٹی ہے اس کا معیار قاہرہ یونیورسٹی سے بلند سمجھا جاتا ہے زراعت، انجینیرنگ اور ادب کے کالج کافی ممتاز ہیں ان میں خصوصیت سے بیرونی ممالک کے کافی طلبہ ہیں ہند وپاک کے سیکڑوں طلبہ یہاں موجود ہیں پرچوں اور رسالوں کے اعتبار سے یہ لاہور یا دہلی کے مانند ہے جہاں سے کیڑے مکوڑوں کی طرح لاتعداد پرچے نکلتے ہیں۔ خالص ادبی لحاظ سے بلکہ یوں کہنا چاہئے نام نہاد ترقی پسند رجحانات کی نمائندگی کرنے والے دو پرچے الادیب اور الآداب نکلتے ہیں جو ضخامت اور حجم اور مضامین کی عالمانہ خشکی اور تحقیقی انداز نقد کے لحاظ سے نمایاں ہیں۔ یہاں کے مطابع بہت شاندار اور ترقی یافتہ ہیں مگر کتابوں کی قیمتیں کافی گراں ہیں (باقی)

(شکریہ "المجیب" پھلواری شریف)

مسلم مشاورتی اجتماع کی چند جھلکیاں

"ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا"

اسحاق جلیس ندوی

گذشتہ ہفتہ ملک کے مسلم سربراہوں کا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک ایسا اجتماع منعقد ہوا جس کی نظیر ماضی قریب کے مسلم ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اجتماع کی تیاریاں تو مہینوں سے ہو رہی تھیں مگر ماہ اگست کے آغاز سے اس کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا۔ ۶ر اگست کی صبح کو اس اجتماع کے داعی جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب دہلی سے تشریف لائے۔ ریلوے اسٹیشن پر موصوف کے استقبال کے لئے عمائدین شہر، مسلم عوام اور طلبہ کا ایک بڑا مجمع موجود تھا ـــــ شام کی ٹرین سے جناب محمد اسماعیل صاحب ایم۔ پی صدر آل انڈیا مسلم لیگ، ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب ایم۔ پی جنرل سکریٹری مسلم لیگ، عبدالصمد صاحب ممبر راجیہ سبھا وصدر کیرالا مسلم لیگ، مولانا ابواللیث صاحب ندوی امیر جماعت اسلامی ہند، محمد یوسف صاحب جنرل سکریٹری جماعت اسلامی ہند، محمد مسلم صاحب ایڈیٹر روزنامہ دعوت دہلی اپنے رفقاء کے ساتھ لکھنؤ پہنچ گئے۔

دوسرے دن مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب ورکنگ صدر جمعیۃ العلماء ہند، مولانا اسعد مدنی صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند، ملاجان محمد صاحب (خلافت کمیٹی کلکتہ) جناب مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی غازی پوری (نائب صدر جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی) بیرسٹر یٰسین نوری صاحب بمبئی، مصطفےٰ فقیہ صاحب سابق وزیر مہاراشٹر و جنرل سکریٹری بمبئی پردیش کانگریس۔ محمد انور ایم۔ پی، مدراس، مولانا عبدالوہاب صاحب آروی صدر جماعت اہل حدیث ہند، مولانا زاہد شوکت علی خلافت کمیٹی بمبئی۔ مصطفےٰ رشید شیروانی ایم۔ پی۔ مولانا منت اللہ صاحب، مولانا حامد الانصاری غازی۔ بیگم انیس قدوائی ایم۔ پی اور ان کے علاوہ تمام صوبوں کے اہم اشخاص اور ڈیلی گیٹ پہونچ گئے۔

۸ر اگست کو جمعہ کا دن تھا، ندوہ کی وسیع مسجد میں تمام عمائدین نے طلبہ اور عوام کے دوش بدوش نماز جمعہ ادا کی خطبہ جمعہ اور امامت نماز کے فرائض مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے انجام دیئے۔

اجتماع کی کارروائی کا آغاز ۹ر اگست کی صبح سے تھا۔ اس وقت تک نمائندوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا مولانا فخر الدین صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند، مولانا عبدالخبیر صاحب پٹنہ، مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، جعفر امام صاحب پٹنہ اور کئی اہم حضرات تشریف لائے اور اجتماع کے آغاز کے دن تک ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مندوبین کی تعداد تقریباً ۳۰۰ تک پہونچ گئی

"تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے"

یہ جملہ ہم نے بارہا سنا مگر اس کی تصدیق ہندوستان کے مختلف الخیال سربراہوں اور مختلف جماعت کے قائدین اور مختلف حلقوں کے ذمہ داروں کے اس منتخب مجمع کو دیکھ کر ہوئی اور ان عمائدین قوم کو اپنی آنکھوں سے ایک جگہ مجتمع دیکھ کر میرے چشم تصور میں ندوۃ العلماء کے ان تمام اجتماعات کا نقشہ پھر گیا جن کی صرف روداد میں نے پڑھی تھی جن اجتماعات میں ہندوستان کے مسلمان ملک کے مختلف الفکر سربراہوں کو ایک پلیٹ فارم پر ہر سال مجتمع دیکھتے تھے۔

ندوۃ العلماء کی بنیاد اسلامی اتحاد کی دعوت پر قائم ہوئی آج سے پچہتر سال قبل "جب کہ بہت سے نامور علماء مدرسۂ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اس وقت بعض دور اندیش علماء نے تحریک کی کہ ایک انجمن علماء کی قائم کی جائے تاکہ مسلمانوں میں جو نااتفاقی، قدیم وجدید گروہ کے درمیان نفرت اور نظام تعلیم وتربیت میں جو نقائص ہیں ان پر غور کیا جائے اور مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر میں اتحاد پیدا کیا جائے۔" (روداد ندوۃ العلماء مرتبہ مولانا محمد علی مونگیریؒ)

اس مشاورتی مجلس میں جو ممتاز علماء شریک تھے ان کے ناموں کی فہرست دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وسیع القلبی اور اسلامی اتحاد کی کس قدر تڑپ بانیان ندوۃ العلماء میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صاحب، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی، مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ، مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواریؒ۔ غرض مختلف مسالک اور مکاتیب خیال کے ان علماء کے ساتھ ساتھ جدید تعلیمی مراکز سے وابستہ اور جدید تعلیم یافتہ حلقہ کے مولانا شبلی نعمانیؒ۔ مولانا الطاف حسین حالی نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، سر آفتاب احمد خاں سر عبدالقادر صاحب، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال، اکبر الہ آبادی، بیرسٹر شریف الدین اور بیرسٹر مظہر الحق کی شخصیتیں نظر آتی ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ تحریک ندوۃ العلماء کی تائید کی بلکہ اس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی اس کے پروگرام میں عملی حصہ لیا اور امت کے مختلف الخیال عناصر کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی ان کوششوں کا ہر طرح تعاون کیا ملت کے تمام طبقوں نے ندوۃ العلماء کو اس دور میں اتحاد اسلامی کی علامت (Symbol) اور اس دعوت کا زبردست نقیب تسلیم کیا۔

۸ر اور ۹ر اگست کو ملک کے مسلم سربراہوں کے اس اجتماع میں مجھے ماضی کے وہ نقوش نظر آرہے تھے جو اس تحریک کی تاریخ کے ہر صفحہ پر اور اس کے قائم کردہ دارالعلوم کے ایک ایک گوشہ پر ثبت ہیں۔ زمانۂ حال کے اس اتحاد نے زمانۂ ماضی کے ان اتحاد کی یاد تازہ کردی اور انھیں اجاگر کردیا جو ندوۃ العلماء کے رہین منت ہیں۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مشاورتی اجتماع کی باقاعدہ کارروائی ۹ر اگست سے شروع ہوئی تلاوت قرآن مجید میں دارالعلوم کے ایک طالب علم نے جن آیات کا انتخاب کیا وہ موقع ومحل کے اعتبار سے گویا اسی لمحہ نازل ہوئی تھیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(اور سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا)

کی تلاوت کا اس سے بہتر اور موزوں اور کون سا وقت ہو سکتا تھا؟ ـــــ تلاوت قرآن مجید کے بعد مکتب کے ایک کمسن طالب علم نے خوش الحانی سے اقبال کی مشہور مناجات ــ

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پڑھی۔ سامعین زبان حال سے ہر شعر پر آمین کہہ رہے تھے اور ہر دل متاثر اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔

اجتماع کی کارروائی کا آغاز مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے خطبۂ استقبالیہ سے ہوا جسے مولانا موصوف حال ہی میں آنکھوں کا آپریشن ہونے کی وجہ سے خود نہیں پڑھ سکے اور مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی قائم مقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اسے پڑھ کر سنایا

یہ خطبۂ استقبالیہ ایک ایسے شخص کے قلم سے تھا جو تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت غرض زندگی

کے تمام شعبوں میں اس کا قائل ہے کہ ؎

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

یہ کہتا ہے تو دلسوزی سے کہتا ہے اور لکھتا ہے تو گویا خون جگر کو سطر سطر پر منتقل کرتا ہے ہر حساس اور مردم شناس شخص اس کی باتیں سن کر، اس کی کتابیں پڑھ کر اور اس سے گفتگو کرکے یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ ؎

"ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو"

جب خطبہ استقبالیہ کے ان جملوں کو پڑھا جا رہا تھا کہ:-

"اس وقت ہندوستان کے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ تمام اہل نظر کی نگاہیں آپ کے اس اجتماع پر لگی ہوئی ہیں اور ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ آپ جو ہندوستان کے مسلمانوں کا عطر و جوہر اور حضرت مسیح کی بلیغ زبان میں زمین کا نمک ہیں اس موقع پر کہاں تک جذبۂ اتحاد و تعاون، ذاتیات اور جماعتی مصلحتوں کے بارے میں ایثار و قربانی اور مصلحت اجتماعی کے لئے بے نفسی اور خود شکنی کا ثبوت دیتے ہیں؟ مستقبل کا مورخ ہندوستان میں مسلمانوں کے نئے دور کا آغاز کرنے کے لئے آپ کے طرز عمل اور رویہ کو جاننے کا منتظر ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم خدائے علام الغیوب کے روبرو ہیں جو ہمارے دلی جذبات اور ارادوں کو بھی دیکھتا ہے اور جس سے ہماری کوئی چیز مخفی نہیں۔ یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور

ہمیں اس مجلس کی کارروائی مشوروں اور گرم گرم بحثوں اور نتیجوں کے دوران میں کسی وقت اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کی دانا و بینا ذات ہماری نگراں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ چوتھا نہیں ہوتا اور نہ پانچ کا جہاں وہ چھٹا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کم نہ زیادہ جہاں وہ ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ پھر وہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی خبر دے گا۔ بیشک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے"

خطبۂ استقبالیہ کے اس اقتباس کو پڑھتے ہوئے شور گریہ سے پڑھنے والے کی آواز بھرا گئی اور حاضرین میں شاید ہی کوئی ایسا سنگدل ہو کہ جو ان جملوں پر نہ پسیجا ہو۔

پورا خطبہ استقبالیہ ایمانی جرأت، گہری بصیرت اور حالات کے حقیقت پسندانہ تجزیہ پر مشتمل تھا۔

مولانا علی میاں کے خطبۂ استقبالیہ کے بعد صدر جلسہ ڈاکٹر سید محمود صاحب کا خطبۂ صدارت پڑھا گیا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب کو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، ملا جان محمد صاحب اور بعض دیگر مقررین نے اپنی تقریروں میں "بزرگ قوم" کے لقب سے خطاب کیا۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ڈاکٹر سید محمود صاحب کے متعلق یہ بلیغ جملہ تحریر فرمایا کہ

"ہماری آزادی کی جد و جہد کے قافلہ کا ایک بچھڑا ہوا ساز جس کی نظر ماضی پر بھی ہے اور جس کا ربط حال سے بھی قائم ہے"

ڈاکٹر سید محمود صاحب کی طویل سیاسی اور ملی خدمات کو دیکھتے ہوئے اس تعارف میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کے صف اول کے رہنماؤں میں سے تنہا ڈاکٹر *محمود صاحب کا نام اپنی چھ یا سات سال کی عمر سے سن رکھا تھا جبکہ وہ "ہندوستان چھوڑ دو" (QUAT INDIA) کی تحریک کے موقعہ پر ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک میرے وطن احمد نگر (مہاراشٹر) کے تاریخی قلعہ میں پنڈت نہرو، مولانا آزاد، ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ، اشنکر راؤ دیو، بیرسٹر آصف علی اور آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دیگر ممبران کے ساتھ قید تھے۔

۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد میں نے بارہا ان کمروں کی زیارت کی جہاں مولانا آزاد نے "غبار خاطر" لکھی اپنڈت نہرو نے "تلاش ہند" DISCOVERY of INDIA کی تالیف کی اور ڈاکٹر سید محمود نے قید و بند کے لمحات گذارے۔

ڈاکٹر صاحب آزادی کے بعد حکومت ہند اور کانگریس پارٹی کے ممتاز عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں مرکز میں محکمۂ خارجہ کے وزیر مملکت مقرر ہونے کے بعد ۱۹۵۴ء کی پہلی "بنڈونگ کانفرنس" میں وزیر اعظم پنڈت نہرو کا اور ہندوستان کا وقار بڑھانے میں ان کا خاصہ حصہ ہے مگر...... خالص قوم پرست نظریات کے علمبردار اور کانگریس کے دیرینہ ہمدرد اور عہدہ دار ہونے کے باوجود ان کی حق پسند، انصاف دوست اور انسانیت نواز طبیعت کو ظلم و ستم پر مداہنت اور اس کی دوراندیشی کار تاویلوں کا فن نہیں آتا۔ ہندوستان میں کانگریس کے ہاتھوں سیکولرازم اور قومی یکجہتی کی جو مٹی پلید ہوئی اسے دیکھ کر ان کے حساس و دردمند ذہن و قلب نے اس بڑھاپے میں بھی انہیں آواز حق بلند کرنے پر مجبور کر دیا، انصاف و مساوات، مظلوموں کی دادرسی اور ملک کی آزادی...... کی خاطر غیروں سے جنگ کرنے والا اور اس راہ میں قید و بند سے لیکر دار و رسن کے مراحل تک سے گذر جانے پر آمادہ انسان آج ملک آزاد ہونے کے بعد ان ہی اصولوں کی حفاظت کی خاطر اپنے دیرینہ رفیقوں سے نبرد آزما ہے خدا کرے کہ ڈاکٹر سید محمود صاحب کا یہ مثالی کردار دوسرے قوم پرست زعما کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دے۔

* محمود صاحب کی وفات کی اطلاع اس وقت ملی جب یہ صفحہ چھپ چکا ہے *

ڈاکٹر سید محمود صاحب نے واضح الفاظ میں اس ملک کے مسلمانوں کو ان کے منصب اور مشن کا احساس دلاتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر امت قرار دیا ہے یہ محض کوئی لقب نہیں ہے جسے فخر و پندار کے طور پر استعمال کیا جا سکے بلکہ ذمہ داریوں اور فرائض کا ایک بوجھ ہے جو اس منصب کے واسطے آپ کے سر ڈالا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب بھی ہم نے اپنی اس حیثیت کو فراموش کیا ہے اسی وقت تاریکیوں اور پریشانیوں نے ہم کو گھیر لیا ہے، اس لئے میں آپ سے عرض کروں گا کہ اپنی حیثیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھنے کی کوشش کیجیے، اور ایک نئے عزم و ارادہ کیساتھ آگے بڑھئے ایسے عزم و ارادے کے ساتھ جو قطب مینار سے زیادہ بلند، لال قلعے سے زیادہ مستحکم، تاج محل سے زیادہ خوبصورت اور صاف ستھرا اور اس ملک سے زیادہ وسیع ہے"

غرض پورا خطبۂ صدارت جامع، متوازن اور فکر انگیز تھا۔

خطبۂ صدارت کے بعد جمشید پور اور راؤرکیلا کے نمائندوں نے اپنے ہاں کے منظم فسادات اور ظلم و بربریت کی تفصیل سنائی اس دور تمدن و تہذیب میں جو وحشیانہ مظالم کمزور نہتی، مسلمان اقلیت پر اس ملک میں ہوئے جس کی نظیر دور وحشت میں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔

جمشید پور اور راؤرکیلا کے نمائندوں کے علاوہ وہاں کے واقعات پر مولانا اسعد صاحب مدنی ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

اس کے بعد آسام کے ڈیلی گیٹ نے اپنے صوبہ سے مسلمانوں کو زبردستی نکالنے اور پاکستان میں دھکیل دینے کے درد انگیز واقعات سنائے۔ مختلف علاقوں کے نمائندوں کی تقریروں کے بعد تجاویز پیش ہوئیں اور ان پر بحث و گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، اس موقع پر قوم کے برسوں سے بگڑے ہوئے مزاج کا کچھ مظاہرہ ہوا۔ مولانا علی میاں نے اس موقع پر ایک بر وقت اور موثر تقریر کی جس کا بہت اچھا اثر پڑا۔

مولانا...... نے اپنی تقریر ان الفاظ سے شروع کی "حضرات ڈاکٹروں نے مجھے تقریر و تحریر سے منع کیا تھا مگر میں اپنی صحت کو خطرے میں ڈال کر آپ حضرات سے جو پورے ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں کے نمائندے ہیں چند باتیں کہنے پر مجبور ہوں۔ پہلی اہم ترین بات یہ کہ اس اجتماع کی تمام نشستوں میں یہ ملحوظ رہے کہ جو صاحب گفتگو اور بحث میں حصہ لیں وہ آخرت کو پیش نظر رکھیں اور اسی وقت بحث میں حصہ لیں جب کہ انہیں اس کا یقین ہو کہ اس وقت نہ کہنے کے نتیجہ میں آخرت میں جوابدہ ہونا پڑے گا ـــــ اس اجتماع کو اپنے زور خطابت کے مظاہرہ کا میدان نہ بنائیں ـــ خطابت کا مظاہرہ وہ شخص کرتا ہے جس کے پیچھے ایک باعزت اور با وقار قوم ہوتی ہے۔ جو قوم آپ کی پشت پر ہے اور جس قوم کے آپ نمائندے ہیں۔ اس کی عزت و آبرو جمشید پور، راؤرکیلا اور کلکتہ میں لٹ چکی۔

دوسری چیز یہ کہ آپ اس ملک کے چھ کروڑ مسلمانوں کے اور خود اس ملک کے قسمت کے فیصلہ کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں لہذا اس موقع پر آپ کو نظم و ضبط، مجلسی آداب، صبر و تحمل اور خود شکنی کا مثالی نمونہ پیش کرنا ہے اس وقت پورے ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ اس ملک کے ایک ایک فرد کی نگاہیں آپ کے طرز عمل، اجتماعی نظم و ضبط اور اسلامی کردار کا احتساب کر رہی ہیں لہذا کوئی ایسی بات نہ ہو جو اس اجتماع کے وقار اور اسلامی اخلاق و کردار کے منافی ہو اور مسلمانان ہند کی تاریخ کے اس اہم ترین اجتماع کے مقاصد کو نقصان پہنچائے۔"

مولانا علی میاں کی تقریر ہال کی پرسکون فضا میں ہو رہی تھی اور اس کے ایک ایک نقطہ کا وزن سامعین اپنے دلوں میں محسوس کر رہے تھے۔ اس موثر تقریر نے حاضرین کے قلوب کو متاثر کیا اور اجتماع میں رخنہ پیدا ہونے کے امکانات کو ختم کر دیا۔ نتیجۃً بقیہ نشستوں میں تمام نمائندوں نے سکون اور سنجیدگی سے حصہ لیا اور مختلف جماعتوں کے سربراہوں اور مختلف فرقوں کے داعیوں پر مشتمل اس اجتماع میں کوئی ایسی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی جس کا ایسے موقع پر بجا طور پر اندیشہ تھا۔

مہمانوں کا قیام سلیمانی ہوسٹل کے کمروں میں تھا اور مشاورتی جلسے اسی ہوسٹل کے سلیمانیہ ہال میں منعقد ہوئے تھے۔ یہ ہوسٹل اور ہال مولانا سید سلیمان ندوی سابق معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام نامی سے منسوب ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی ہندوستان کے ایک ایسے ہر دلعزیز عالم تھے کہ جنہیں ان کی زندگی ہی میں امت کے تمام طبقوں کا اعتماد حاصل ہو گیا تھا ـــــ ندوہ کے اس "گل سرسبد" کا ملک میں جو احترام اور وقار تھا اس کا اندازہ اس سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ جب تحریک خلافت کے بانی مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس ROUND TABLE CONFRENCE) میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے گئے تو انھوں نے طبقۂ علماء میں سے اس وفد میں مولانا سید سلیمان ندوی کو شریک کیا، پھر جب مکہ معظمہ کی موتمر عالم اسلامی میں خلافت کا وفد شریک ہوا تو مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ۔ مولانا سید سلیمان ندوی اس وفد کے اہم رکن تھے ـــــ شاہ افغانستان نادر شاہ غازی نے اپنے ملک میں تعلیمی اصلاحات کے مشورہ کے لئے ہندوستان سے جن تین حضرات کو مدعو کیا تھا ان میں مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر اقبال اور سر راس مسعود تھے۔

قدیم و جدید گروہ کے درمیان اجنبیت اور نفرت کی دیواروں کو ختم کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کے اہم مقصد کو مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی تمام زندگی میں بروئے کار لانے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایسے دور میں اس نازک اور اہم کام کو انجام دیا جب کہ علمائے دین کو دیکھ کر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ جاتی تھیں اور انگریزی داں شخص کو علماء کی اکثریت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی ان دونوں جماعتوں کی باہمی نفرت کا یہ عالم تھا کہ اگر ایک طبقہ کا کوئی فرد دو اور دو چار جیسے بدیہی حقائق بھی پیش کرتا تو دوسرا طبقہ اس کی اندھی مخالفت فرض سمجھتا۔ اقبال کا یہ شعر ؎

واعظ دلیل لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

ان دونوں گروہوں کے بالکل حسب حال تھا ـــــ باہمی غلط فہمی اور نفرت کے اس پر آشوب ماحول میں ندوۃ العلماء نے روشن خیال، وسیع النظر اور کشادہ قلب علماء کی وہ جماعت تیار کی جنہیں قدیم و جدید دونوں طبقوں کا اعتماد حاصل ہوا اور ان علماء نے دونوں طبقوں کے درمیان سنگم اور پل کا کام کیا۔ ان ندوی فضلاء کے "سالار کارواں" یا بقول مولانا عبدالباری صاحب ندوی (سابق صدر شعبۂ فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی) ندویوں کے "سید الطائفہ" مولانا سید سلیمان ندوی تھے۔

سید صاحب موصوف کے علمی و دینی مقام، تعلیمی و ملی خدمات کا یہ حق تھا کہ ان کا نام اور ان کا کام آنے والی نسلوں کے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہے اور نوخیز و نوجوان نسل کے لئے سید سلیمان ندوی کی ذات چراغ راہ اور سنگ میل ثابت ہو ـــــ مولانا سید سلیمان ندوی کے نام نامی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک مستقل ہوسٹل دارالاقامہ کی تعمیر اس مقصد کو بوجہ اتم پورا کرے گی۔

ہندوستان کے مسلم عمائدین کا نو تعمیر شدہ سلیمانی ہوسٹل میں قیام اور اس کے وسیع سلیمانیہ ہال میں ان کے مشاورتی جلسے (جہاں ندوہ کی تحریک اور اس کے مقاصد کا تعارف قد آدم کتبوں میں آویزاں ہے) شرکائے اجتماع کو شعوری اور نفسیاتی طور پر تمام اختلافات بھلا کر باہم متفق اور متحد ہونے میں انتہائی سازگار اور ممد و معاون ثابت ہوا ہوگا۔ اگر دلی جذبات، اخلاص،...... وحیثیت انگیز ارادوں کی کوئی حقیقت ہے تو بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانان ہند کے اس تاریخی اجتماع کی کامیابی میں اس مقام و ماحول، اس کے ماضی کی تاریخ اور حال کے بے لوث تعاون کا بڑا حصہ ہے۔ ورنہ بظاہر تو ایسے مختلف الخیال عناصر کا ایک جگہ مل بیٹھنا اور پھر متفقہ لائحہ عمل منظور کر کے اسے عمل میں لانا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور تھا۔

یہ دو روزہ اجتماع خدائے تعالیٰ کے حضور میں پہونچے ہوئے اس ادارہ کے بانیوں اور اس کے موجودہ کارپردازوں کے دلی جذبات، نیک خواہشات اور اہم ترین مقاصد کا خوشگوار اور حسین مرقع تھا ـــــ ادارہ کا ہر فرد اس اجتماع کی کامیابی کے لئے دست بدعا تھا اور معزز مہمانوں کی ہر ممکن خدمت کے لئے مستعد (مہمانوں نے طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء پر مشتمل والنٹیر گروپ کی خدمات کا اعتراف تحسینی الفاظ میں کیا)

ہندوستان کے مسلم سربراہوں کا یہ مبارک اور کامیاب اجتماع جو بقول ملا جان محمد صاحب جمشید پور، راؤرکیلا اور کلکتہ کے ہزارہا بے گناہ مسلمانوں کی شہادت، مال و متاع کی بربادی، سیکڑوں عفت مآب مسلمان خواتین کی آہ و فریاد اور ہزاروں یتیم و لاوارث بچوں کے نالہ و شیون کے نتیجہ میں منعقد ہوا تھا، ۹ اگست کی شام کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اختتامی تقریر اور پر اثر دعا کے بعد ختم ہوا۔

اجتماع میں جو تجاویز منظور ہوئیں ان کی تفصیل اخبارات میں آ چکی ہے لہذا اب اسے دہرانا تحصیل حاصل ہے۔ ان تجاویز کے متعلق یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بحیثیت مجموعی تمام تجاویز، معقول، متوازن اور حالات کے تقاضہ کے عین مطابق ہیں اگر انھیں جلد عمل میں لایا گیا تو نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے زخموں کا اندمال ہوگا بلکہ مستقبل میں اس ملک میں خود دار، آبرو مند اور مطمئن زندگی گذارنے کا بھی روشن امکان پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ مظلوم و یتیم قوم ذلت و نکبت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل آئے گی۔

(بقیہ ص ۱۲ پر)

مسلمانوں کو احساس ہے کہ آج اُن کی جان کی قیمت اتنی بھی نہیں جتنی اس ملک میں جانور، درخت، پتھر اور پانی کی ہے!

جب تک کسی ایک مسلمان بلکہ اُن میں سے کسی مفلوج مریض ناکارہ اور جاں بلب ہستی کی حفاظت ہزاروں "مقدس" جانوروں لاکھوں "مقدس" درختوں اور درجنوں "مقدس" دریاؤں سے زیادہ اہم نہ سمجھی جائیگی، مسلمانوں میں گرمجوشی اور خود اعتمادی پیدا نہیں ہو سکیگی!!

مسلم مشاورتی اجتماع میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی خیر مقدمی تقریر

عائدین ملت، نمائندگان قوم معزز حاضرین!

میں سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں نذرانۂ شکر پیش کرتا ہوں کہ ہم سب کو اس نازک اور فیصلہ کن موقع پر ایک جگہ جمع ہونے اور اجتماعی طور پر ہندوستان کی عظیم ملت اسلامیہ کے بنیادی مسئلوں پر غور کرنے، متفقہ طور پر ان کا حل تلاش کرنے اور اس کے لئے اجتماعی کوشش کا آغاز کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ محض خدا کی توفیق تھی کہ اس ضروری مبارک اقدام کے لئے نہ صورت حال کی نزاکت کافی ہے نہ مسائل کی سنگینی، نہ ضرورت کی شدت نہ موت و حیات کی کشمکش، اس لئے کہ ملت کی وسیع تاریخ میں جہاں اتحاد و یکجہتی، ایثار و قربانی، انفرادیت پر اجتماعیت کو ترجیح دینے اور خود شکنی و خود فراموشی کی تابناک اور درخشاں مثالیں ہیں، وہاں چند ایسی افسوس ناک نظیریں بھی ہیں کہ بعض ایسے نازک اور فیصلہ کن مواقع پر بھی عالم اسلام کے کسی اہم حصہ کے زعماء ملت کی حیات و بقا کو اپنی ذات یا جماعتوں کی عزت و سربلندی کے سوال پر مقدم نہیں کر سکے اور وہ امتحان کی آخری گھڑیوں میں بھی ایک دوسرے سے اتحاد و تعاون اور ملت کو بچانے کے لئے اپنی اور اپنی جماعتوں کی مصلحتوں کو قربان نہیں کر سکے۔ یہ محض خدا کا فضل اور اس کی رہنمائی ہے کہ اس وقت تمام مسلم جماعتوں کے رہنما اور ذمہ دار ہندوستانی مسلمانوں کے اکثر اہل الرائے یہاں جمع ہیں۔ الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا أن هدانا الله

اس وقت ہندوستان کے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اہل نظر کی نگاہیں آپ کے اس اجتماع پر لگی ہوئی ہیں اور ساری دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ آپ جو ہندوستان کے مسلمانوں کا عطر و جوہر اور حضرت مسیح کی بلیغ زبان میں زمین کا نمک ہیں، اس موقع پر کہاں تک جذبۂ اتحاد و تعاون ذاتیات اور جماعتی مصلحتوں کے بارے میں ایثار و قربانی اور مصلحت و اجتماعی کے لئے بے نفسی و خود شکنی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مستقبل کا مورخ بھی ہندوستان میں مسلمانوں کے نئے دور کا آغاز کرنے کے لئے آپ کے طرز عمل اور رویہ کے جانچنے کا منتظر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم خدائے علام الغیوب کے روبرو ہیں جو ہمارے دلی جذبات، اندرونی نیات اور ہماری نیتوں اور ارادوں کو بھی دیکھتا ہے اور جس سے ہماری کوئی چیز مخفی نہیں۔ یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور۔

ہمیں اس مجلس کی کارروائی، مشوروں اور سرگوشیوں بحثوں اور نتیجوں کے دوران میں کسی وقت اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی دانا و بینا ذات ہماری نگراں ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ چوتھا نہیں ہوتا اور نہ پانچ کا جہاں وہ چھٹا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کم نہ زیادہ جہاں وہ ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ پھر وہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی خبر دے گا۔ بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اس وقت ہمیں سب سے زیادہ جس چیز سے پرہیز کرنا چاہئے وہ انتشار، جماعتی انانیت، گروہی عصبیت اور جذبۂ تفوق ہے۔ خدا ہم کو اس نازک ترین لمحہ پر ہمارے نفوس اور ہمارے دلوں کی بیماری اور بے راہ روی سے بچالے اور ہم کو ہمارے نفسوں کے حوالے نہ کرے۔

حضرات!

ہندوستان میں پانچ کروڑ کی تعداد میں ہیں اور ہندوستان کے مذہبی دستور نے ان کو برابر کا شہری تسلیم کیا ہے اور ان کے ان تمام حقوق اور تحفظات کی ضمانت دی ہے جو کسی آزاد جمہوری ملک میں کسی آزاد اور باعزت شہری کو حاصل ہو سکتے ہیں، ان کے اس فیصلے نے کہ وہ ہندوستان ہی میں رہیں گے اور ہندوستان ہی کو اپنا وطن سمجھتے ہیں، اخلاقی، سیاسی، قانونی اور دستوری حیثیت سے ان کو ان تمام حقوق و فوائد اور آزادیوں کا حقدار بنا دیا ہے جو کسی ملک کے کسی بہتر سے بہتر شہری کو حاصل ہونی چاہئیں۔ وہ اپنی تعداد کے لحاظ سے دنیا کے بہت سے ملکوں کی پوری پوری آبادی سے زیادہ اور وسیع دنیائے اسلام میں تیسرے نمبر پر ہیں، پاکستان اور انڈونیشیا کے کثیر التعداد اور تقریباً خالص مسلمان آبادی والے ممالک کے بعد انھیں کا نام آتا ہے اور کہیں ایک جگہ مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی اور اتنی بڑی تعداد نہیں پائی جاتی۔ اس عددی حیثیت کے ماسوا وہ اپنی بہت سی فکری، ذہنی، علمی اور اخلاقی صلاحیتوں کے اعتبار سے عالم اسلام میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور بعض حیثیتوں سے وہ پورے عالم اسلام میں فائق ہیں، وہ بہت سے ذہنی و علمی شعبوں میں آزاد مسلم ممالک کی بھی مدد و رہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور ان میں اب بھی ان کی انفرادیت تسلیم کی جاتی ہے۔ بہت سی اخلاقی عملی، انتظامی اور ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ ہندوستان کی اکثریت اور تمام دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں ممتاز ہیں۔ عقیدۂ توحید اسلامی اخلاق، عدل و مساوات کے اسلامی اصول، وسعت قلب و وسعت نظر، کائنات، مخلوق خدا، انسانی برادری اور انسانی جان کی قدر و قیمت کے متعلق اس بنیادی نقطۂ نظر کی بنا پر جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے ان میں تعمیر کا جذبہ، تعاون اور تقاضائے باہم کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ موجود ہے اور اس چیز نے ان کو زیادہ سے زیادہ بے آزار، انسان دوست، احسان شناس اور ملک کا وفادار بنا دیا ہے۔ انھوں نے اس ملک کی جنگ آزادی کا آغاز کیا اور اس میں قائدانہ حصہ لیا ہے اور مجموعی حیثیت اور اپنی تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ قربانیاں پیش کیں۔ وہ دنیا کی دوسری وسیع ترین برادری (ملت مسلمہ) کا ایک اہم اور تاریخی جزو ہیں جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور جو کم سے کم دو بر اعظموں (ایشیا اور افریقہ) میں اولین حیثیت رکھتی ہے اور دنیا کے ایک بڑے مرکز سیاست مشرق وسطی پر تنہا حاوی ہے اور ہندوستانی مسلمان ان تمام ممالک سے بہتر تعلقات پیدا کرنے کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں بلکہ ایشیا کی جو ہوش مند اور حقیقت پسند قیادت خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ اس برادری کا اعتماد حاصل کرے گی اور اپنے کو اس کا سچا دوست اور مخلص رفیق ثابت کرے گی وہ مشرق کی سب سے بڑی طاقت بن جائے گی۔

ان سب بدیہی حقائق کا لازمی اور فطری تقاضا تھا کہ مسلمانوں کو اس ملک میں عملاً وہ سب کچھ حاصل ہو جو ان کو دستور کے اوراق پر اصولی اور قانونی طور پر حاصل ہے۔ یہاں کے ذہن سے اکثریت و اقلیت کا تصور بھی محو ہو چکا ہو اور صرف ہندوستانی کا تصور باقی رہ گیا ہو کسی مسلمان کے ساتھ کسی امتیازی سلوک کا تصور و امکان بھی ناجائز اور ایسا قومی و ملکی جرم سمجھا جاتا ہو جو بڑی سے بڑی سزا کا مستحق ہے، ایک ایک متنفس کی جان اور عزت عبادت گاہوں سے زیادہ مقدس اور تاج محل، قطب مینار، ایلورا، اجنتا کی یادگاروں سے زیادہ ملک کا قیمتی اثاثہ اور قابل حفاظت خزانہ سمجھا جائے ان میں سے کسی مفلوج، مریض، ناکارہ اور جاں بلب ہستی کی حفاظت ہزاروں "مقدس" جانوروں لاکھوں "مقدس" درختوں اور درجنوں "مقدس" دریاؤں کی تعظیم و حفاظت سے زیادہ ضروری سمجھی جاتی ہو، اور جب کبھی ان دونوں میں ترجیح و انتخاب کا سوال پیش آئے تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس بارہ میں کوئی تردد نہ ہو کہ انسان بالعموم اور ہندوستان کا مسلمان شہری بالخصوص ان سب سے زیادہ قیمتی اور قابل حفاظت ہے۔

حصول آزادی کے بعد فرقہ وارانہ فساد کا تخیل جو انگریزوں نے اپنی سیاسی و انتظامی مصلحتوں سے پیدا کیا تھا اس طرح حافظہ سے محو اور زندگی سے ناپید ہو جانا چاہئے تھا کہ ہمارے ان بچوں اور نوجوانوں کے لئے جنھوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد ہوش سنبھالا ہے ان کا سمجھنا ایسا ہی مشکل ہو جائے جیسا کہ تاریخ کے بعید از قیاس واقعات کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ مذہبی فرقہ وارانہ بنیاد پر کسی مسلمان کا قتل، اس کی بے عزتی اور اس پر دست درازی ایک ایسا شرمناک اور ناقابل برداشت جرم سمجھا جائے جس پر حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آجائے اور اس کے نتائج اتنے سنگین ہوں کہ پھر کسی ملک دشمن اور شریر النفس کو اس تجربہ کی ہمت نہ ہو۔ ملک کی بڑی سے بڑی ذمہ داری پر مسلمان پر اعتماد کیا جا سکے، فوج پولیس اور نظام حکومت میں ان کو بڑی سے بڑی کلیدی جگہیں حاصل ہوں۔ ان کی زبان، ان کی مذہبی تعلیم ان کا کلچر اور ان کا پرسنل لا نہ صرف محفوظ ہو بلکہ ملک کا ایک قیمتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے اس کو نشو و نما و ترقی کا پورا پورا موقع حاصل ہو، کسی لمحہ بھی یہ خیال ان کے قریب نہ آنے پائے کہ زبان کلچر، پرسنل لا اور مذہبی تعلیم کی آزادی کے لحاظ سے انگریزی حکومت کا تاریک و شرمناک عہد ان کے لئے بہتر اور غنیمت تھا، کسی مسلمان کا کسی بڑے سے بڑے دماغی عدم توازن کے موقع پر اس بات کا تصور کرنا اور غلامی کے اس عہد کو یاد کرنا ہندوستان کی جمہوری حکومت کی سب سے بڑی ناکامی اور جنگ آزادی کے تقدس، اس کی آبرو اور ناموس پر دھبہ تصور کیا جائے اور جنگ آزادی کے سیکڑوں مخلص رہنماؤں اور لاکھوں بے لوث رضاکاروں کی روح کو اذیت پہنچانے کے مرادف سمجھا جائے اور اگر اس ملک کے کسی دور دراز گوشہ میں بھی کوئی ستم رسیدہ مسلمان آزادی کے اس عہد کا غلامی کے اس دور سے تقابل کرنے لگے اور اپنے ذہن کے کسی مخفی سے مخفی گوشہ میں بھی مذہبی آزادی کے لحاظ سے اس دور کو ترجیح دے تو اس کے لئے ہندوستانی رہنما گاندھی جی کی طرح برت رکھنا ضروری سمجھیں اور ہندوستان کے سب سے بڑے ذمہ دار انسان کا سر ندامت سے جھک جائے۔ اگر ہندوستان کے کسی گوشہ میں کسی مسلمان کی نکسیر بھی پھوٹ جائے تو اس کی تحقیقات اور اس کے اسباب کو معلوم کرنے کے لئے مرکزی حکومت سے لے کر ریاستی حکومت تک میں ایک جنبش اور حرکت پیدا ہو جائے۔

جہاں تک ہندوستان کی اس مشترک جنگ آزادی کے مقاصد، اس کے رہنماؤں کے خلوص اور ان کے اعلانات کا تعلق ہے جس میں ہندو مسلمان برابر کے شریک تھے پھر بالخصوص بیسویں صدی کے سب سے عظیم سیاسی ادارے اور تحریک انڈین نیشنل کانگریس کے فلسفہ، منشور، تاریخ اور اس کے عظیم رہنماؤں کے ارادوں و خواہشات، خیالات و اعلانات کا تعلق ہے۔ آزاد ہندوستان کو اس بارے میں اتنا ہی غیرت مند، ذکی الحس، اور نازک دماغ ہونا چاہئے تھا کہ وہ ان ناشدنی واقعات کو جو ۱۹۴۷ء کے بعد روزمرہ کی زندگی کے واقعات بن گئے ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکے اور جہاں تک گاندھی جی کی نفسیات و احساسات کا تعلق ہے یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ آزادی کی اس طے شدہ منزل کو نا طے شدہ منزل سمجھ کر اپنی جدوجہد کے سفر کو از سر نو شروع کرنے پر غور کرنے لگتے ..... اور شاید پھر وہیں سے سفر کرتے کرتے جہاں سے انھوں نے جنوبی افریقہ سے آنے کے بعد سے شروع کیا تھا جس رہنما کے دماغ پر چورا چوری کے واقعہ نے بجلی کا اثر کیا تھا اور اس کے احساسات کو اس طرح مجروح کر دیا تھا کہ اس نے پوری تحریک کو ملتوی کر دیا تھا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اس کو پیچھے لے جانے پر مجبور ہوا اور یقیناً دنیا میں یہ اعلان کر کے سیاسی حلقوں میں ایک تہلکہ برپا کر دیتا اور اپنی اخلاقی جرأت کا تاریخ میں لافانی نقش قائم کرتا کہ ہم نے ان فرقہ وارانہ فسادات، اقلیتوں کی حق تلفی ان کے حقوق کی پامالی اور لسانی، ثقافتی اور تہذیبی عدم تحفظ کے احساس سے جو ملک کے بعض فرقوں میں پیدا ہو گیا ہے بہ بانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ ہم کو آزادی قبل از وقت مل گئی اور یہ کہ جتنا ملک اس آزادی کے حصول کے لئے بیتاب اور اپنی وسعت و زرخیزی اور خدا کی بخشی ہوئی بیش بہا نعمتوں کے لحاظ سے اس کا اہل و مستحق تھا، قوم اپنی اخلاقی و ذہنی تربیت اور سیاسی شعور کے لحاظ سے اس بار عظیم کو اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ اس لئے اس وقت سب سے زیادہ مقدم اور اہم کام ایک نئی قوم کی تعمیر و تخلیق اور اس کے اندر انسانی و اخلاقی شعور، سیاسی بالغ نظری اور وسیع الخیالی کا پیدا کرنا ہے اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ وہ اپنی تمام صلاحیتیں، قوت عمل اور اپنی عظیم شخصیت کے سارے اثر و طاقت کو اس پر مرکوز کر دیتے اور ملک کی تمام باصلاحیت اور بااثر شخصیت کے سارے اثر و طاقت اسی کام پر لگا دیتے، انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپنی جان کی قربانی دے کر اس مسئلہ کی اہمیت و اولیت کا اعلان کر دیا ہے اور ہندوستان کے تمام سیاسی و اخلاقی رہنماؤں کے لئے پیغام چھوڑا ہے کہ یہی وہ محاذ ہے جس پر ہندوستان کو سب سے مضبوط مورچہ لگانا چاہئے۔ اور جس کی کامیابی و ناکامیابی سے اس ملک کی کامیابی و ناکامی، فتح و شکست اور نیک نامی و بدنامی کا فیصلہ ہونا ہے۔

سترہ سال سے ہندوستان میں افسوس ناک یہ صورت حال قائم ہے جس کا اخلاقی، قانونی، دستوری، سیاسی کسی صورت سے بھی کوئی جواز نہیں، یہ صورت حال ہندوستان کے لئے رسوا کن، اعتماد و اتحاد کی فضا کے لئے سنگ گراں اور ہم جہتی ترقی و خوشحالی

(بقیہ ص ۲۰ پر)

ملہ حکومت ہند کے نمائندوں نے بعض بین الاقوامی مواقع پر ان کی تعداد چھ کروڑ تک بتائی ہے۔

حق گوئی وبیباکی ...... ایک زندہ مثال

سعید الرحمن الاعظمی

اس سال اپریل کے شروع میں شام کا مشہور شہر (حماہ) جس وحشیانہ حملہ اور بہیمانہ ظلم وستم کا شکار ہوا اُس کی کچھ تفصیلات اخبارون میں آچکی ہیں، سابق صدر حکومت امین الحافظ کی قیادت میں جس طرح مسجدوں کو مسمار کیا گیا۔ اور دینی جذبات رکھنے والے مسلمانوں کا خاتمہ کیا گیا وہ ایک ایسی کہانی ہے جس کی تفصیلات کا علم بجز اہالیان شہر کے شائد کسی اور کو نہ ہو سکا ہو۔

البتہ اس سلسلے کے بعض جستہ جستہ واقعات وقتاً فوقتاً معلوم ہوتے رہے۔ من جملہ ان واقعات کے مروان حدید نامی ایک مسلمان شخص کی حق گوئی وبیباکی کا ایک ایسا عبرت انگیز واقعہ ہے جو جذبۂ ایمانی کا آئینہ دار اور صحیح اسلامی غیرت کا ایک مرقع ہے۔ انھوں نے دوران مقدمہ عدالت کے روبرو جس بے باکی اور حق گوئی کا مظاہرہ کیا وہ ہدیہ ناظرین ہے:

عدالت کا اجلاس شروع ہوا، ملزم مروان حدید جن پر باغی تحریک کی قیادت کا الزام ہے، حاضر عدالت کئے جاتے ہیں، اور اُن سے سوال ہوتا ہے:۔

حاکم :۔ جامع سلطان میں تم نے کیوں پناہ لی

ملزم :۔ میں ایک مذہبی تقریر کے سلسلے میں وہاں (لا الٰہ الا اللہ) کے معنی کی تشریح کر رہا تھا۔ اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ زبان سے اس کلمہ کو ادا کرتے ہیں لیکن اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اس کے علاوہ میں نے دمشق ریڈیو کے اناؤنسر کو جب یہ کہتے ہوئے سنا کہ "بعث پارٹی میرا معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں، عرب قومیت میرا دین ہے جس کا کوئی ثانی نہیں" تو یہ سنکر مجھے سخت صدمہ ہوا، اور میں نے مسجد میں اس کے خلاف تقریر کی...... اور.....

حاکم :۔ خاموش ہو جاؤ، بتاؤ کیا تم اخوان المسلمین سے تعلق رکھتے ہو؟

ملزم :۔ جی ہاں! میں اخوان المسلمین سے تعلق رکھتا ہوں اور اخوان کی طرف اپنے انتساب پر فخر محسوس کرتا ہوں۔

حاکم :۔ تم اپنی تقریر میں کس بات کا مطالبہ کر رہے تھے؟

ملزم :۔ علمائے دین کے ساتھ زیادتی نہ کرنے اور نظر بند "طالب علم" کی رہائی کا مطالبہ۔

حاکم :۔ ایسی صورت میں تم نے اپنے شہر کے کوتوال سے کیوں نہیں مراجعت کی؟

ملزم :۔ میں نے پہلے اسی سے اپنا شکوہ کیا تھا اور اس نے بہانے کا وعدہ کیا لیکن اس کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی

حاکم :۔ اچھا بتاؤ تم مسجد میں اسلحہ کیوں تقسیم کر رہے تھے۔

ملزم :۔ قوم کے ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مدافعت کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرے۔

حاکم :۔ اس کے سوا تم اور کچھ کہنا چاہتے ہو؟

ملزم :۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فیصلہ شریعت اسلامی کے مطابق ہونا چاہئے؟

حاکم :۔ (غصہ میں بپھر کر) عنقریب تم کو اور عصام عطار کو (دمشق کے ایک سربرآوردہ اخوانی عالم) کو دونوں کو ہم موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

ملزم :۔ موت وزیست اللہ کے ہاتھ میں ہے کوئی کسی کو مقررہ ساعت کو ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں کر سکتا (فاذا جاء اجلہم لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون) "جب ان کی موت مقررہ آپہونچی تو وہ اس کو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں کر سکتے۔"

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی میری موت کو دو منٹ پہلے نہیں لا سکتا۔

حاکم :۔ تم اور عصام عطار دونوں جاسوس ہو اور تم کو باہر سے رقمیں ملتی ہیں۔

ملزم :۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی اس چیز کو ثابت کرے (ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین) اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔)

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم لوگوں کو یہ رقمیں نہیں ملتیں، البتہ تمہارے سردار میشیل عفلق نے [illegible] ہزار پونڈ لئے ہیں اس لئے تم لوگ خود جاسوس اور وطن کے غدار ہو گئے تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟

حاکم :۔ خاموش ہو جاؤ، نکل جاؤ،

اس درمیان میں ایک فوجی پولیس والا ان پر حملہ آور ہوتا ہے تاکہ وہ ان کو اپنے بوٹ سے مار کر نکال دے۔ لیکن مروان (ملزم) اسکو ڈانٹتے ہوئے حاکم سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں۔

ملزم :۔ بحیثیت ایک حاکم کے تم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ تم اسوقت خاموش ہو جانے کا حکم مجھ پر لگاؤ، کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اگر تم چلا کر بول سکتے ہو تو میں تم سے زیادہ بلند آواز سے بول سکتا ہوں (پھر مروان نے عدالت کے ایک ممبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) اس ظالم نے مجھے سخت عذاب میں ڈالا، اس نے میرے ناخنوں کو اکھیڑا اور میرے ہاتھ پر مار کر اسے بالکل بیکار کر دیا۔ ان مجرمین اور ظالموں کے سیاہ کارنامے آپ لوگ ملاحظہ کریں۔

مروان نے حاضرین کو اپنا ہاتھ دکھلاتے ہوئے کہا۔

حاکم :۔ تم لوگ بعث پارٹی کی مخالفت کرتے ہو حالانکہ بعث پارٹی تم لوگوں سے زیادہ اسلام پسند ہے وہ اسلام کو پھیلانا چاہتی ہے۔

ملزم ومن لم یحکم	جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی
بما انزل اللہ فاولئک	شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں
هم الکافرون	وہ کافر ہیں۔

اور جو بھی اسلامی نظام کو چھوڑ کر کسی دوسرے نظام کو اپنانے کی دعوت دیتا ہو وہ مرتد اور خائن ہے۔

حاکم :۔ تم لوگ فتنہ پرداز ہو۔

ملزم :۔ بلکہ تم لوگ فتنہ پرداز ہو، کیا تمھارے ریڈیو نے یہ اعلان نہیں کیا کہ "بعث پارٹی میرا معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں عرب قومیت میرا دین ہے جس کا کوئی ثانی نہیں، کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے ہو کہ بعث پارٹی ہمارا دین اور عرب قومیت ہمارا مذہب ہے؟ کیا تم لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ تلاوت قرآن کو ممنوع قرار دینا چاہئے اس لئے کہ اس سے جمود پیدا ہوتا ہے؟.....

حمص میں قرآن کس نے پھاڑا؟ سویدا (جگہ کا نام) میں قرآن کی بے حرمتی کس نے کی اور اس کو زمین پر کس نے پھینکا؟

تمھاری حکومت کے سربراہ شرانگیز اور فتنہ پرداز ہیں ان پر مقدمہ چلانا چاہئے نہ کہ مجھ پر

حاکم :۔ بتاؤ تم نے کیوں مسجد میں پناہ لی، اور دہشت انگیزی کی؟

ملزم :۔ مجھے طرح طرح سے تنگ کیا جا رہا تھا، اس لئے میں نے اللہ کے گھر میں پناہ لی، تاکہ ظالموں کے ظلم سے بچ سکوں میں یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ کوئی ایسا نامراد بھی ہو سکتا ہے جو مسجد کو اپنی توپوں اور گولیوں کا نشانہ بنائے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا کافر اور گمراہ کیوں نہ ہو (بقیہ ص ۱۲ پر)

نسلی امتیاز کے بتکدہ میں حق کی پہلی آواز

فوجی کمانڈر کے انتخاب پر داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر تقریر

حبیب الرحمن ندوی

قومی تعصب اور رنگ ونسل کے امتیاز کی آج ہر جگہ مذمت کی جا رہی ہے۔ چھوت چھات کے خلاف بڑے بڑے منصوبے بنائے جا رہے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اسلام سے قبل یہی چیزیں عزت وشرافت کا معیار تھیں۔ شریف وہ تھا جس کا خاندانی حسب ونسب اونچا ہو، کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک غلام یا نیچی ذات کا انسان شرفاء کے برابر بھی ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اسلام ہے جس نے دنیا کو پہلی بار یہ بتایا کہ اصل برتری انسان کی ذاتی خوبیاں اور اس کا ذاتی کردار ہے "پدرم سلطان بود" ایک جاہلی تصور ہے جس کے لئے عدل وانصاف کی دنیا میں کوئی گنجائش نہیں۔

عجیب بات ہے دنیا اسلام کے ایک ایک اصول سے فائدہ اٹھا رہی ہے اس کی ہر بات کو عدل وانصاف کا معیار سمجھنے پر مجبور ہے لیکن زبان سے اسلام کا نام لینا یا اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنا وہ نہیں چاہتی شاید اس لئے کہ خود اس کے قول وفعل میں تضاد ہے وہ جس کو حق سمجھتی ہے اس پر عمل نہیں کرتی۔ تعصب نے اس کے دل ودماغ ہی پر نہیں رفتار وگفتار پر بھی تالا چڑھا دیا ہے۔ بہر کیف اس مختصر سے مضمون میں ہم یہاں تاریخ کے کچھ اوراق پلٹ کر آپ کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلی تفوق اور قومی تعصب کے خلاف کیا فرمایا اور کیا اقدام کیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس وقت عرب میں سب سے نچلا طبقہ غلام تھا، غلام کی حیثیت ایک انسان نما جانور کی تھی۔ اس کی خوشی کوئی خوشی نہ تھی اس کا غم کوئی غم نہ تھا اس کے دکھ درد پر کوئی آنکھ تر ہونے والی نہ تھی اس کی زندگی کا واحد مقصد آقا کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی تعمیل تھی، معاشرتی زندگی میں پالتو کتوں سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہ تھی جو ملا کھا لیا جو دیا پہن لیا مختصر یہ کہ اسے انسان سمجھنے کے لئے کوئی تیار نہ تھا اس لئے اس کے ساتھ انسانی سلوک کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ آج بہت سے ممالک میں نسلی امتیاز کا بھوت ننگا ناچ رہا ہے لیکن پست اقوام کی آج وہ حالت نہیں جو اسلام سے قبل غلاموں کی تھی۔ غور کرو انھیں حالات میں اسلام نے ظہور کیا اور اسی ناسازگار حالات میں داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فروتر، پست اور کچلے ہوئے انسانی طبقہ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس سے تاریخ عالم میں انقلاب کی بنیاد پڑی

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا درمیانی زمانہ ہے۔ مخالفین اسلام مکہ اور مدینہ سے دور رہتے ہوئے بھی اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے جارحانہ منصوبوں کی تکمیل کا خواب دیکھ رہے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مخالف قوتوں کی سرکوبی کے لئے صحابۂ کرام کی ایک فوج تیار کرتے ہیں۔ علامہ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق اس فوج میں اور تمام جلیل القدر صحابیوں کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے عظیم المرتبت لوگوں کا نام بھی ہے، مگر سرداری اور فوج کی کمانڈری کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب حضرت اسامہ بن زیدؓ پر پڑتی ہے ——— اس سے پہلے بھی غزوہ موتہ میں آپ نے حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید کو فوج کا سردار بنایا تھا، واضح رہے کہ حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ غلام تھے وہی غلام جسکو عرب کے شرفاء اپنے برابر کا انسان سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے مگر مشکل یہ تھی کہ یہاں سوال برابری کا نہیں تھا برتری کا تھا، سچ یہ ہے کہ ایک غلام کو اپنا سردار مان لینا بہت بڑی بات تھی جسے عرب کی غیور طبیعت برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھی چنانچہ بہت سے لوگوں نے کہا، یہ کیا ہو رہا ہے، حضرت اسامہؓ غلام ہیں، نوجوان ہیں، بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ان کو سرداری کا منصب کیوں دیا جا رہا ہے بعض روایتوں میں ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت اسامہؓ کے حسب ونسب پر نکتہ چینی بھی کی۔

بدقسمتی سے یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدید طور پر بیمار تھے۔ چنانچہ اثنائے علالت میں جب طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی تو آپ سے ان سب باتوں کا ذکر کیا گیا۔ آپ اگرچہ بیماری کی وجہ سے حد درجہ کمزور تھے جسم اطہر چادروں میں چھپا ہوا تھا مگر اسی حالت میں آپ ممبر پر تشریف لائے۔

اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

اما بعد۔ ایہا الناس	لوگو! مجھ تک یہ بات پہونچی
ما مقالۃ بلغتنی عن	ہے کہ تم میں سے بعض لوگ
بعضکم فی تأمیری اسامۃ	اسامہ کی سرداری پر
[illegible]	معترض ہیں۔ اگر اسامہ کی
ان تطعنوا فی امارتہ	سرداری پر تم کو اعتراض ہے
فقد کنتم تطعنون فی	تو اس کے باپ زید کی سرداری
امارۃ ابیہ من قبل	پر بھی تم معترض تھے مگر خدا کی
وایم اللہ لقد کان	قسم وہ اس منصب کا مستحق
خلیقا للامارۃ وان کان	تھا اور سب سے زیادہ مجھے
من احب الناس الی و	محبوب تھا۔ اور اس کے
ان ھذا لمن احب الناس	بعد یہ اسامہ سب سے
الی بعدہ	زیادہ مجھے محبوب ہے۔

بخاری کتاب المغازی

چند دن پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

یا ایہا الناس ان ربکم	لوگو! تمھارا خدا ایک ہے تم
واحد وان اباکم	سب ایک ہی باپ کی اولاد
واحد۔ الا لا فضل لعربی	ہو، عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی
علی عجمی ولا لعجمی علی عربی	پر کوئی فضیلت نہیں۔ اسی
ولا لاحمر علی اسود ولا	طرح کالے کو گورے پر اور گورے
لاسود علی احمر الا بالتقویٰ	کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں۔
ان اکرمکم عند اللہ	برتری کا اصل معیار تقویٰ
اتقاکم (ترغیب وترہیب)	ہے۔

حضرت اسامہؓ کی سرداری پر لوگوں کا اعتراض اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ملاحظہ فرمائیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی کی روشنی نہیں جس سے آج بھی پوری دنیا تجلی بداماں ہو رہی ہے۔

بعد کے واقعات سیر واحادیث کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں یہ فوج اپنی مہم پر روانہ ہوتی ہے۔ چونکہ اس فوج کا ایک ایک فرد انسانیت واخلاق کا مجسمہ ہے اس لئے فتح وکامرانی قدم چومتی ہے اور بہت جلد لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت اسامہؓ میں فوج کی کمان کرنے کی کتنی عمدہ صلاحیت موجود تھی۔ (باقی ص ۱۲ پر)

مسئلے کے حل

وحید الدین خاں

سنہ ۷۵ء میں میرے بغل کے کمرے میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا دفتر ہے جس میں مولانا تقی امینی صاحب رہتے ہیں۔ ایک روز جب مولانا نے کمرہ بند کرکے باہر سے اس میں تالا لگایا تو اندر کی سٹخنی گر کر بند ہوگئی۔ وہ بہت پریشان ہوئے کہ اب دروازہ کیسے کھلے گا۔ اتنے میں ایک نوجوان طالب علم آگیا۔ مولانا نے اس سے اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ طالب علم نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے ساتھ کمرے کے دوسری طرف جاکر پچھلا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ میں نے سوچا یہ کیا بے وقوفی ہے۔ دروازہ تو سامنے کا بند ہے اور حضرت پچھلے دروازے کے ساتھ زور آزمائی کر رہے ہیں۔ مولانا تقی امینی صاحب بھی کچھ اسی طرح کے احساس کے ساتھ طالب علم کی اس عجیب وغریب حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ ہم لوگ ابھی اسی حیرت واستعجاب کے عالم میں تھے کہ یکایک نظر آیا کہ ایک جھٹکے کے ساتھ کمرے کا پچھلا دروازہ کھل گیا۔

اصل میں بات یہ تھی کہ جس دروازے کی سٹخنی اندر سے گری تھی وہ نیچے کی سٹخنی تھی۔ اس کے برعکس پچھلے دروازے کی سٹخنی اندر سے گری تھی۔ طالب علم نے جب ہاتھ سے بار بار اس دوسرے دروازے کو ہلایا تو مسلسل حرکت کی وجہ سے اندر کی سٹخنی گھوم کر سیدھی ہوگئی اور پھر اپنے آپ کھسک کر نیچے گر گئی۔ اس طرح وہ دروازہ کھل گیا اور اس کے کھلنے سے پورا کمرہ کھل گیا۔

یہ واقعہ دیکھ کر مجھے وہ دن یاد آگیا۔ جب ایک عالم اپنی تقریر میں خدا کے خوف اور دینی زندگی کی تلقین کر رہے تھے۔ اور اسی کو زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بتا رہے تھے اور دوسری طرف کچھ لوگ یہ کہہ کر ہنس رہے تھے کہ یہ مولوی بھی کس قدر بے وقوف اور حالات سے بے خبر ہے مسلمانوں کے ساتھ اور ساری دنیا میں کیا کیا ہو رہا ہے۔ سماجی معاشی اور سیاسی سطح پر کس قدر نازک مسائل انسانیت کو درپیش ہیں۔ مگر اس کے یہاں نماز روزے کی باتوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ آخر اس طرح کی روحانی نصیحتوں سے قوم اور ملک کے مسائل کس طرح حل ہو جائیں گے۔ مسئلے کا حل تو وہیں ہو سکتا ہے جہاں مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ مگر یہ حضرات ہیں کہ ہر چیز کو بس مسجد کی چہار دیواری میں ڈھونڈنا پسند کرتے ہیں۔

بعض مرتبہ سطحی طور پر دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے کہ آدمی غلط دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ حالانکہ ہوش مند انسان جانتا ہے کہ وہ کون ہے دروازہ ہے جس کو کھٹکھٹانا چاہئے۔ اور کس دروازے سے آدمی کو داخلہ ملے گا۔

یاد رکھئے۔ مسئلے کا حل ہمیشہ وہیں نہیں ہوتا جہاں مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ بلکہ ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں ایک سطح بین کا گمان نہیں جا سکتا۔

بقیہ: مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

ص ۹

اور استحکام نیز بین الاقوامی اعتماد کے لئے سخت مضر ہے ..... اس نے ملک کی بہت سی نوخیز اور پرجوش صلاحیتوں کو تعمیر کے بجائے تخریب پر لگا دیا ہے اور ملک میں شک وشبہ، بے اعتمادی رنج، آزردگی، شکوہ وشکایت، غم وغصہ کی ایک ایسی فضا پیدا کردی ہے جس کا جدوجہد اور تنازع اللبقا کے اس عہد میں کوئی جواز نہیں اور ہندوستان کے جیسے عظیم ملک کے لئے جو نہایت نازک جغرافیائی اور سیاسی نقطہ پر واقع ہے کوئی گنجائش نہیں۔ دوسری طرف پانچ یا چھ کروڑ کی عظیم اقلیت جو ہندوستان کی تعمیر وترقی کے کام میں نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہے اور جس کی ایک طرف اہمیت یہ ہے کہ وہ انسانی صلاحیتوں سے معمور ہے۔ دوسری طرف ہمارے سب سے اہم ہمسایہ اور قریب ترین وعزیز ترین پڑوسی پاکستانی قوم سے مذہب اور خون کا رشتہ رکھتی ہے اور اس کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہر وقت اثر انداز ہو سکتی ہے۔ قتل وغارت گری کے ان واقعات سے اور جان ومال عزت وناموس زبان کلچر اور تعلیم کے عدم تحفظ کے احساس سے غیر مطمئن خائف اور ملول ہے اور اس کا اثر اس کی پوری زندگی، اس کے ولولہ کار نشاط طبیعت قوت عمل اور امنگوں اور توانائیوں پر پڑ رہا ہے، وہ روز بروز افسردہ، مایوس اور اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن ہوتی جارہی ہے۔

بقیہ: ہوتا ہے جادہ پیماں پھر کارواں ہمارا

عجب کیا ہے یہ بیڑہ ڈوب کر بھی پھر ابھر آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھا ہے

مسلم لیگ، جماعت اسلامی، جمعیۃ العلماء ہند تبلیغی جماعت، جمعیت اہل حدیث، جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی، مسلم متحدہ محاذ، مجلس تعمیر ملت، امارت شرعیہ بہار، خلافت کمیٹی۔ غرض ہندوستان کے تمام دینی سماجی اور سیاسی تنظیموں اور مختلف فرقوں کا یہ اتحاد اور ان کی نمائندہ مجلس عمل کا قیام ہندوستان کی اس صدی کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے۔ آج اسے کما حقہ اہمیت نہیں دی جارہی ہے۔ مگر مستقبل کا مورخ اس عظیم الشان واقعہ کو نظر انداز نہیں کر سکے گا اور آج کا یہ اجتماع کل کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کریگا اس اجتماع کے فیصلوں کے بعد مسلمانان ہند کی تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہو رہا ہے اور ہندوستان کے مسلمان ایک نئے، روشن اور تابناک دور میں داخل ہو رہے ہیں، اولاً تو اس آنے والے دور کی تابناکی کا تمام تر انحصار اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہے اور پھر سربراہان مجلس مشاورت کے اخلاص، کارکردگی، جوش عمل اور مستعدی پر امید ہے کہ یہ حضرات ان تمام تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جلد از جلد متحرک اور سرگرم عمل ہو جائیں گے اور اس اتحاد کو ملت اسلامیہ اور ملک کے لئے مفید وکارآمد بنانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کریں گے۔ تاکہ ہندوستان کے مسلمان عزم وحوصلہ اور اعتماد ومسرت کے ساتھ یہ کہہ سکیں۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

بقیہ: حق گوئی وبے باکی

حد تو یہ ہے کہ فرانسیسیوں نے بھی حملہ کے وقت مسجد کا پورا احترام کیا اور اسکو ہر قسم کے نقصان سے بچایا

حاکم: کیا حجاج نے خانہ کعبہ پر حملہ نہیں کیا۔

ملزم: حجاج پر آج ساری دنیا لعنت بھیجتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھ بھی آئندہ نسلوں کا یہی سلوک ہوگا۔ تاریخ تمہارے ظلم وستم اور کفر وضلال کی کہانی نوٹ کر رہی ہے اور وہ تمہاری پیشانی پر کلنگ کے اس ٹیکہ کو ہمیشہ باقی رکھے گی۔

چو مرگ آید
تبسم برلب اوست

تنویر الحسن صدیقی

احمد بن خضرویہ کے دروازہ پر غرباء ومساکین کا ایک بڑا انبوہ جمع ہے۔ اور شور وہنگامہ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، ایک ہنگامہ برپا ہے۔ آج احمد بن خضرویہ اپنا تمام مال غرباء ومساکین میں تقسیم کر رہے ہیں جو تقریباً، سو دینار پر مشتمل ہے۔

باہر فقراء ومساکین پر مال وزر کی بارش ہو رہی ہے اور اندر باران رحمت کی۔ کیونکہ ۹۵ سالہ احمد بن خضرویہ حالت نزع میں ہیں، ہر آنکھ اشکبار ہے، لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جن کو اپنے روپیوں کی فکر ہے جو احمدؒ کے ذمہ ہیں اور خود احمدؒ کو بھی ان کی فکر ہے، اور قرض ہی کی وجہ سے غالباً فرشتۂ اجل روح قبض کرنے میں تاخیر کر رہا ہے۔

کچھ دیر کے بعد احمدؒ نے فرمایا۔ اے اللہ اب تو ہی ان قرضوں کو پورا کر میں تو ایک عاجز وحقیر بندہ ہوں اس لئے کیا کر سکتا ہوں۔

ابھی دعا کے یہ الفاظ ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی کہ احمدؒ کے قرض خواہ باہر آئیں، اس آواز کے سنتے ہی تمام قرض خواہ باہر بھاگے اور اس شخص نے احمدؒ کے قرضوں کو چکا دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ ادھر اس نے قرض ادا کیا ادھر احمدؒ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۱۳۸)

(۲)

حمام غسل کرنے والوں سے پر ہے۔ کچھ لوگ غسل کر رہے ہیں، کچھ انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، انھیں میں اپنے وقت کے عارف عبداللہ بن وہب بھی موجود ہیں اور عجب استغراق کے عالم میں حمام کے شور وغوغا سے بے نیاز ایک گوشہ میں خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، اتنے میں کسی گوشہ سے یہ صدا کان میں آئی واذ یتحاجون فی النار ۶۱ (اور جب وہ جہنم میں لڑ رہے ہوں گے) اس آیت کا سننا تھا کہ انھوں نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگئے۔

حمام میں بھگدڑ مچ گئی لوگوں نے مل کر انھیں اٹھایا اور ان کے گھر لائے لیکن وہ اب تک بیہوش تھے۔ بہت دیر کے بعد ہوش آیا لیکن زبان گنگ تھی۔ اس کے بعد ان کو کسی سے گفتگو کرتے نہیں دیکھا گیا۔ اور اس حادثہ کے کچھ ہی دنوں بعد وہ خالق حقیقی کے دربار میں حاضر ہوگئے

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۸۶)

(۳)

امیر معاویہ کا آخری زمانہ خلافت حضرت عائشہؓ کی زندگی کا اخیر زمانہ ہے اس وقت ان کی عمر ۶۷ برس کی تھی ۵۸ھ رمضان کے مہینے میں بیمار پڑیں چند روز تک علیل رہیں، کوئی خیریت پوچھتا تو فرماتیں اچھی ہوں[۱] جو لوگ عیادت کو آتے بشارت دیتے تو فرماتیں۔ اے کاش میں پتھر ہوتی۔ اے کاش میں جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ کو تامل ہوا کہ وہ آکر تعریف کریں گے بھانجوں نے سفارش کی تو اجازت دی۔ حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور کہنا شروع کیا۔ آپ کا نام ازل سے ام المومنین تھا، آپ آنحضرتؐ کی محبوب ترین بیوی تھیں، رفقاء سے ملنے میں اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جائے خدا نے آپ ہی کے ذریعہ تیمم کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں اور وہ اب ہر محراب ومسجد میں شب وروز پڑھی جاتی ہیں، فرمایا ابن عباس مجھے اپنی اس تعریف سے معاف رکھو مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی۔

مرض الموت میں وصیت کی اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجئے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ مجھ کو بھی جنت البقیع میں دفن کیا جائے اور رات ہی کو دفن کردی جاؤں صبح کا انتظار نہ کیا جائے کسی نے عرض کیا کہ آپ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر ہوتا، فرمایا اگر ایسا ہو تو مجھے عمل بچا رہا اور نیا فروغ کروں۔ رمضان کی ۱۷ تاریخ ۵۸ھ کو نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔

(سیرت عائشہ ص ۱۴۸)

(۴)

اسماعیل بن یحییٰ المزنی سکرات کی کیفیت سے جب دو چار ہوئے تو فرمانے لگے کہ میری خواہش یہ ہے کہ اس وقت مجھے کوئی یہ شعر سنائے۔

اذا ما انقضت عنی من الدھر مدتی
فان عزاء الباکیات قلیل

ترجمہ: جب زمانہ میں میری مدت حیات پوری ہوگئی تو پھر تعزیت کرنے والیاں بہت کم رہ گئیں۔

سیعرض عن ذکری وتنسی مودتی
ویحدث بعدی للخلیل خلیل

ترجمہ: عنقریب میری یاد سے لوگ غافل ہو جائیں گے اور میری محبت بھلا دی جائے گی، اور میرے بعد بھی دوست کو دوست ملیں گے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جب میں اس دنیا سے کوچ کر جاؤں تو میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

ان عیشا یکون آخرہ الموت لعیش
معجل التنغیص

ترجمہ: ایسی زندگی جسکا انجام موت ہو اس میں کسی بھی قسم کے آرام کی سعی بے سود ہے۔

یہ شعر پڑھا اور اپنے معبود حقیقی کے پاس چلے گئے۔ (وفیات الاعیان ص ۲۰۰ ج ۱)

۵

ابراہیم بن یوسف المعروف بابن قرقول جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر لوٹے، کچھ دیر آرام کیا، پھر سورۂ اخلاص کی قرأت شروع کی اور مسلسل پڑھتے رہے اور اس کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنا تو بند کر دیا اور کلمۂ شہادت پڑھتے رہے اور پڑھتے پڑھتے سجدہ ریز ہوگئے طویل انتظار کے بعد خدام نے جب توجہ کی تو دیکھا شیخ اپنے معبود حقیقی سے مل چکے تھے۔

(وفیات الاعیان ص ۶۴ ج ۱)

[۱] ابن سعد جزء نساء ص ۵۱

ندوۃ العلماء منزل بہ منزل

چند تاریخی جھلکیاں

لکھنؤ میں دفتر ندوۃ العلماء اور درجہ ابتدائی کا آغاز ۱۸۹۶ء

دارالعلوم کیلئے زمین کی تلاش

۱۴ شوال ۱۳۱۵ھ

مطابق مارچ ۱۸۹۶ء کو مولانا محمد علی مونگیری ایک وفد لے کر شاہجہاں پور سے لکھنؤ روانہ ہوئے اس وفد میں مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا خلیل الرحمن سہارنپوری، مولانا مسیح الزمان خاں صاحب رئیس شاہجہاں پور بھی شامل تھے۔ استقبال کے لئے منشی احتشام علی صاحب رئیس کاکوروی پہلے سے موجود تھے۔ وفد نے ان کو دارالعلوم کی تجویز اور مقصد سفر سے آگاہ کیا۔ منشی احتشام علی صاحب نے بہت کشادہ دلی کے ساتھ کہا کہ شہر سے متصل میری تبعہ زمین دو میں ایک، بردہ حسن باڑی جو شہر کے مشرقی جانب واقع ہے دوسری وہ زمین جو آفاق باغ کے متعلق ہے ان کو دیکھنے کے بعد جو پسند آئے اس کو میں حسبۃً للہ دارالعلوم کے لئے نذر کرتا ہوں۔

نماز عصر کے بعد وفد زمین دیکھنے کے لئے روانہ ہوا، نظر انتخاب اس قطعہ پر پڑی جو بردہ حسن باڑی میں واقع ہے

لکھنؤ میں دفتر ندوۃ العلماء کی منتقلی

اسی موقع پر بھی منشی احتشام علی صاحب نے پوری عالی ہمتی کا مظاہرہ کیا اور جب تک کہ دارالعلوم کی اپنی عمارت تیار نہیں ہوجاتی۔ اس وقت تک کے لئے انھوں نے گولہ گنج میں دخاتون منزل کے نام سے نو ہزار روپیہ کی مالیت کا ایک مکان خرید کر ندوہ کے حوالے کیا۔ اور ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۸۹۶ء

اور شعبہ بردہ حسن باڑی لکھنؤ کا کوری کی پختہ سڑک پر ایک مشہور اور آفاق باغ محلہ گیت گنج لکھنؤ میں ہے اس کے ساتھ گیت کے تالاب بھی تھا۔

منشی احتشام علی صاحب اودھ کے ایک مردم خیز و کاکوری ... تھے اور بہت صاحب وجاہت شخص تھے ان کے والد منشی ... صاحب نہایت ہی پاکیزگی اخلاق ... کی بہت ... تھے اور ... نثر ... منشی احتشام علی صاحب ... مولانا ... منشی احتشام علی صاحب ... اور وضعداری کے بھی بہت پابند

کو ندوہ کا دفتر شاہجہاں پور سے لکھنؤ منتقل ہوگیا۔

ایک ضعیفہ کا گرانقدر عطیہ

لکھنؤ کی ایک ضعیف اور سن رسیدہ علیل مسلمان خاتون نے دارالعلوم قائم ہونے کی شہرت سنی تو انھوں نے اپنی کل جائداد کے لئے ایک وصیت نامہ لکھا کہ ۵-۶ ہزار روپیہ ان کے متوسلین اور متعلقین کو دینے کے بعد کل جائداد جس کی مالیت ۱۵-۲۰ ہزار روپیہ سے کم نہ تھی دارالعلوم یا دیگر کار خیر کے لئے وقف کردی جائے۔ انتقال کے وقت انھوں نے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے ہاتھ پر بیعت کی اور دعاء توبہ کرائی۔

درجہ ابتدائی کا آغاز اور جلسہ افتتاح

۹ جمادی الاولی ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء کو درجہ ابتدائی کھول دیا گیا۔ اور یہ قرار پایا کہ اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں اس تقریب کے لئے جلسہ افتتاح منعقد کیا جائے۔ بالآخر اسی نئے مکان میں یہ شاندار جلسہ شروع ہوا اس جلسہ میں ممتاز اہل علم اور سربرآوردہ طبقہ کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا عین القضاۃ، مولانا محمد نعیم

تھے اور خفیہ طور پر غرباء مساکین اور اہل حاجت کی امداد ان کا خاص ذوق تھا وہ دور آخر میں شرافت و وضعداری کا نمونہ اور اودھ کی پرانی تہذیب و شائستگی کی یادگار تھے (ماخوذ از مکاتیب شروانی) ندوہ کے ابتدائی زمانہ میں انھوں نے بہت فراخدلی اور فیاضی کے ساتھ اس کی مدد کی اور اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور متعدد نازک اور سخت ترین مرحلوں میں بھی اس سے وابستہ رہے وہ ندوہ سے ان کی سچی محبت کا ایک روشن ثبوت ہے آخر تک ندوہ کے مجلس انتظامی کے رکن رکین اور معتمد مال رہے ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے منشی احترام علی صاحب .... اپنے والد کی یادگار ہیں منشی احترام علی صاحب ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن اور ندوہ کے معتمد مال ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مولانا کی ... اور منکسر المزاج طبع کیسا تھا اس

فرنگی محلی، مولانا شیخ محمد طیب لکھنوی، حکیم عبدالعزیز، حکیم عبدالولی محمد نسیم صاحب وکیل ہائیکورٹ، خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم شیخ اصغر علی تاجر عطر لکھنؤ کے علاوہ شہر کے اور بہت سے ممتاز حضرات اس تاریخی جلسہ میں شریک تھے۔ مسٹر ہارڈی اور مسٹر گری بھی موجود تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انگریز حکام ندوہ کے کسی اجلاس میں شریک ہوئے۔

عجیب بات ہے کہ مولانا محمد علی اپنی علالت کی بناء پر اور مولانا سید عبدالحی بھی کسی وجہ سے (جسکا ہم کو علم نہ ہوسکا) اس اہم جلسہ میں شریک نہ ہوئے چنانچہ مولانا کی تحریر کردہ رپورٹ منشی اطہر علی صاحب نے پیش کی۔

اس رپورٹ میں مولانا نے قیام دارالعلوم کے چار مقاصد بیان کئے ہیں جو مولانا ہی کے الفاظ میں درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

(۱) علوم و فنون کی تکمیل

(۲) علوم دینیہ خصوصاً علم کلام میں جس کی اسوقت نہایت ضرورت ہے۔ اعلیٰ درجہ کا کمال پیدا کرنا تاکہ دہریت اور الحاد کا پوری قوت سے مقابلہ کیا جاسکے۔ علم فقہ میں تبحر پیدا کرنا تاکہ عبادات و معاملات میں ان کے فتاوی مستند اور واجب العمل ہوں۔

(۳) مسلمانوں میں اسلامی اخلاق اور شائستگی پیدا کرنا اور ان کو عمدہ اطوار اور عادتوں کا خوگر بنانا۔

(۴) طالب علموں میں عالی نظری اور فراخ حوصلگی پیدا کرنا جو بغیر اس قسم کے دارالعلوم کے جس میں یہ تمام باتیں شان و شوکت کے ساتھ ہوں اور طلبہ کو پست حوصلگی اور بے توقیری کے ساتھ بسر اوقات کرنے سے مستغنی کردیا جائے حاصل نہیں ہوسکتیں۔

اسکے بعد مولانا مسیح الزمان خاں اور مولانا حفیظ اللہ صاحب نے جو اس دارالعلوم کیلئے پہلے مہتمم قرار دیئے گئے تھے ان طلبہ کو یکے بعد دیگرے نام بنام پیش کیا جو اس وقت تک مدرسہ میں داخل ہوچکے تھے یہ سب طلبہ ایک لباس میں تھے اور نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ سلام کرتے ہوئے گذر رہے تھے۔

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی نے فارسی عربی اور اردو میں چار تاریخی قطعہ تہنیت پیش کئے اسکے بعد مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے تقریر کی، ان کی تقریر کے دوران بغیر کسی تحریک کے لوگوں نے خود بخود چندہ دینا شروع کیا۔ اور جو لوگ اسوقت نہ دے سکے انھوں نے اپنا نام لکھوادیا اور اسی کارروائی میں سارا وقت گذر گیا دوسرے دن پھر جلسہ ہوا اور مولانا نے اپنی تقریر مکمل کی۔

سب سے آخر میں ایک کمسن بچہ نے بغیر کسی تحریک کے اپنے شوق سے ایک مناجات پڑھی اور اسی پر جلسہ برخاست ہوگیا۔

غیر حاضری کا سبب صاحب بہادروں کی حاضری بھی ہو۔

طلبہ کا صفحہ

سلطان نورالدین زنگی

اشفاق عالم راجگیری متعلم دارالعلوم

سلطان نورالدین کی پیدائش جزیرہ میں اور نشو و نما موصل میں ہوئی تھی سلطان ابتدا ہی سے بڑے ذکی الطبع اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ ایک بہادر باپ کے لڑکے کو جس طرح بہادر اور دلیر ہونا چاہیے سلطان بالکل اسی کے مصداق تھے۔ امیر عمادالدین چوں کہ عاشق رسول اور عاشق اسلام تھا اس لئے ابتدا ہی سے اس نے اپنے لڑکے نورالدین کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا اور ان کے لئے اچھے قسم کے ماہرین اتالیق و اساتذہ متعین کئے جو انھیں ہر طرح کی دینی علمی و عملی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنون حربیہ کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

یوں تو اس سے پہلے ہی ۵۱۵ھ میں اس نے صلیبی جنگوں کا آغاز کردیا تھا۔ چونکہ قدرت کو سلطان سے کچھ اور ہی کام لینا تھا اس لئے اس نے اسے اپنی تربیت خاص میں رکھا۔

سلطان نے ضروری علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد فنون جنگ میں خاص توجہ دی۔ سلطان کے اندر شوق جہاد ابتدا ہی سے تھا اس وجہ سے وہ اپنے باپ کے ساتھ اکثر جنگوں میں جایا بھی کرتا تھا جہاد سے اس کے اس شغف کو دیکھ کر بعض اوقات امیر نے اسے بڑی بڑی مہموں پر امیر لشکر بنا کر بھی بھیجا تھا جہاں وہ بڑی پامردی سے لڑتا اور اکثر کامیابی ہی سے لوٹتا

لیکن ۵۴۱ھ کے بعد جب حکومت پورے طور پر اس کے ہاتھ میں آئی تو اس نے شوق جہاد کی مزید تکمیل کی اس نے یہ طے کر رکھا تھا کہ جتنے اسلامی ممالک عیسائیوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں انھیں واپس لاکر رہوں گا اور اس کے لئے اس نے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ ۵۴۹ھ میں دمشق پر قبضہ کرکے دولت بوریہ کا خاتمہ کیا ۵۶۶ھ میں موصل پر اور ۵۶۲ھ فرمانروا جوسلین کو گرفتار کرکے قید میں ڈالدیا جہاں وہ مرگیا ۵۶۶ھ میں موصل پر اور ۵۶۲ھ میں ... پر قبضہ کرکے ۵۶۹ھ تک انگریزوں نے جسقدر ممالک قلعے اور مقبوضات اسلامی سلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھاکر حاصل کرلئے تھے ان سب کو پھر سے اس نے اپنے قبضہ میں کیا۔ بیت المقدس کی صلیبی جنگوں میں یورپ کی کل طاقتوں نے اپنا آخری زور صرف کردیا تھا۔

مگر اس کے پہاڑ جیسے عزم بلیان سے ٹکرا پاش پاش ہوگئیں اس وقت کی بڑی سے بڑی حکومت بھی سلطان کے نام سے تھر تھر کانپتی تھی۔ چنانچہ اسلام کے اس بطل حریت نے جدھر کا بھی رخ کیا فتح و کامرانی نے اس کے قدم چومے۔ اس نے اس وقت کے مسلمانوں میں حریت و آزادی کا ایک ایسا صور پھونکا جس نے ہر شخص کو جہاد اور شوق جہاد پر اس طرح سے آمادہ کردیا تھا کہ لوگ سلطان کے جھنڈے تلے لڑنے مرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ باوجودیکہ ابتداً اس کی کوئی بڑی سلطنت نہیں تھی لیکن اس نے یورپ کی بڑی بڑی حکومتوں کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا تھا اور سارا عالم حیران و ششدر تھا کہ آخر مسلمانوں میں یہ کون سا انقلاب عظیم برپا ہوگیا کہ کوئی طاقت کوئی حکومت اور کوئی سلطنت ان پر فتح نہیں پاتی۔ بالآخر تقریباً ۲۴-۲۵ سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد ۱۱ شوال ۵۶۹ھ میں مرض خناق میں اسلام کے اس بطل حریت اور زبردست شیدائی نے دار آخرت کی جانب رحلت کی (انا للہ و انا الیہ راجعون) اسطرح نورالدین کی ساری زندگی میدان جہاد میں گذری خصوصاً امیر کی وفات کے بعد یعنی ۵۴۱ھ سے لے کر اپنی موت ۵۶۹ھ تک برابر صلیبی مجاہدات میں مشغول رہا اور اس مدت میں اس نے سیکڑوں معرکے سر کئے۔ انتقال کے وقت عمر ۵۸ سال کی تھی اور مدت خلافت ۲۸ سال رہی۔

سلطان نورالدین جن اوصاف کمالات اور جن خوبیوں کا حامل تھا ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اس نے جو گوناگوں کارنامے انجام دیئے ان کے لئے ایک پورا دفتر درکار ہے جس کی اس مختصر سے مضمون میں گنجائش نہیں۔ ... جہاد ... مختلف النوع کارناموں کا صرف ایک رخ ہے اور اس کے جو حالات لکھے گئے ہیں وہ بھی اس کی بلند حوصلگی کی صرف ایک تصویر ہے۔

وہ جن اوصاف و خصوصیات کا مالک تھا اور اس نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ پیش کیا اس کی نظیر خلفاء راشدین

(باقی ص ۱۰ پر)

زائرانِ حرم سے

رئیس شاکری بارہ بنکوی متعلم ششم عربی

مبارک ہو مبارک ہو خدا کا گھر بھی دیکھا ہو
نصیبہ جن عقیدت روضۂ اطہر بھی دیکھا ہے

حرم میں تم نے جاگ رات کے پچھلے پہر اکثر
نگاہیں کہہ رہی ہیں حسن بام و در بھی دیکھا ہے

ہجوم عاشقاں وقت طواف کعبۂ اطہر
سراپا شوق بن کر تم نے وہ منظر بھی دیکھا ہے

غضب کی بیقراری ہے بپے زمزم سر دل میں
ہجوم تشنگاں یوں چاہ زمزم پر بھی دیکھا ہے

صفا سے جانب مروہ چلے ہو دوڑ کر اکثر
خدا کی رحمتوں کا دلربا منظر بھی دیکھا ہے

تمھارے رخ کی یہ تابندگی غمازی کرتی ہے
بچشم تر نبی کا روضۂ اطہر بھی دیکھا ہے

کلس پر گنبد خضریٰ کے وہ حسن ضیا باری
انھیں آنکھوں سے اعجاز مہ و اختر بھی دیکھا ہے

وہاں تم نے عقیدت کے حسیں گلشن کھلائے
جہاں سایہ فگن جبرئیل کا شہپر بھی دیکھا ہے

فرشتے جبہ سائی کے لئے بیچین رہتے ہیں
یقیناً ان بزرگوں نے اک ایسا در بھی دیکھا ہے

یہ اعجاز عقیدت ہے "اگر کہدوں بجا ہوگا"
ہر اک ذرے کو صد رشک مہ و اختر بھی دیکھا ہے

حریم قدس کے جلوے سکون دیدہ و دل ہیں
ابھی نظروں میں رقصاں ہو کا جو منظر بھی دیکھا ہے

تقاضائے عقیدت ہے رئیس انکے قدم چومو!
جو کعبہ بھی گئے ہیں روضۂ اطہر بھی دیکھا ہے

اے زائرین طیبہ

عبدالمنان خرم بہرائچی متعلم ششم عالمیت

دیکھی ہے آپ نے وہ مدینہ کی سرزمیں
ہوتی ہے خم جہاں پہ عقیدت کی ہر جبیں

اہل یقین و دل کہیں رشک ارم جسے
جس سے حسین زمیں ہے کہیں بھی کوئی نہیں

ذرے وہاں کے ماہ درخشاں سے کم نہیں
فرش زمین تخت سلیماں سے کم نہیں

دو چار ہم انھیں سے یہ سب دیکھ آئے ہیں
شام و سحر بھی فصل بہاراں سے کم نہیں

چہرے سے آپکے ہے عیاں عظمت حرم
اللہ رہے آپ پہ بے انتہا کرم

انوار طیبہ آپ نے دیکھے قریب سے
قسمت پہ ناز جتنا بھی کیجے وہ ہوگا کم

بچہ کے لئے "صفا" "مروہ" کے درمیاں
شیطاں کی آپ سب نے اڑائی ہیں دھجیاں

صحن حرم میں پچھلے پہر جاکے آپ نے
رو رو کے اپنے رب کو سنائی ہے داستاں

ممتاز و ہاں پہ سب کے لئے باعث خوشی
پورے گئے وہاں تو نئی زندگی ملی

ہم کو بھی آرزو ہے دل بے قرار ہیں
جائے وہاں تو موت کے آنے تک پھر بھی

بقیہ خطبات نبوی

جبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

فاوصیکم فانہ من صالحیکم (مسلم ج ۲ ص ۳۰۸) میں اسار کے لئے وصیت کرتا ہوں کہ وہ صالحین میں سے ہے۔

بہرحال اسلام جس ساوات کا مقتضی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اس حقیقت کو سمجھ سکتا تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریر کے بعد پھر کسی کو کچھ کہنے کی حاجت نہیں رہی — ہزاروں برس گذر گئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر آج بھی تازہ ہے اور پہلے سے کہیں زیادہ آج اس کے دہرانے کی ضرورت ہے کیونکہ تہذیب جدید اور سائنس کی ایجادات نے محدود برائیوں کو وسیع سے وسیع تر بنانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ انسان کو اس نے اس خبط میں مبتلا کر دیا ہے کہ ہم ایک ترقی یافتہ دور سے گذر رہے ہیں۔ سائنس کے عروج سے پہلے دنیا غیر متمدن اور غیر مہذب تھی۔ انسان تعصب و تنگ نظری کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا۔"

کاش ہم یہ کہنے سے پہلے اپنے دلوں کو بھی ٹٹولتے اور اپنی مصنوعی دنیا سے باہر آکر تڑپتی ہوئی انسانیت کی درد بھری آواز بھی سننے کی کوشش کرتے اور یہ بتاتے کہ انسانیت کے لئے وہ راستہ بہتر ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلنے کی ہدایت فرمائی ہے یا وہ جس پر چل کر آج دنیا کے چند لوگ تمام انسانوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ فتنہ وفساد، قتل وخون کیا اسی نسل پرستی اور تعصب کا نتیجہ نہیں جس کی بدولت آج ہم زمانۂ ماضی کو موجودہ دور سے فروتر سمجھ رہے ہیں۔ مانا کہ صنعت وحرفت کی ترقی نے انسان کے لئے مہینوں کا سفر ہفتوں میں اور ہفتوں کا سفر دنوں میں طے کرنا آسان بنا دیا ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہی آسانیاں ہیں جن کے سہارے انسان انسان کو کچل رہا ہے اور اپنے نسلی اور قومی تعصب کو بروئے کار لانے کے لئے اسے پوری طرح استعمال بھی کر رہا ہے۔ یقین مانئے ان تمام خباثتوں کے سدباب کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اسلامی اصولوں کو بروئے کار لایا جائے اور جس طرح بھی ممکن ہو اسلامی صداقت کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

بقیہ نور الدین زنگی

کے سوا تاریخ اسلام میں مشکل ہی سے ملتی ہے اس نے عدل وانصاف کی اشاعت، جہاد اور عبادت واحسان وکرم کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا تھا اور اسی میں اس کے رات دن بسر ہوتے تھے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عدل وانصاف کی مثال حضرت عمر بن الخطابؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ کہیں نہیں تھی۔ ممالک محروسہ میں جسقدر ٹیکس تھے سلطان نے اسے یک قلم بند کر دیا تھا کہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی بادشاہ مشکل ہی سے اس رقم کثیر سے دست بردار ہو سکتا تھا۔ اس کے ایوان عدالت میں پورا پورا انصاف ہوا کرتا تھا۔ مظلوموں کی شکایتیں وہ خود براہ راست سنا کرتا تھا اور خود ہی اس کی تفتیش وچھان بین کرتا تھا۔ اگر وہ خود کبھی مدعا علیہ ہوتا تو عام آدمیوں کی طرح بغیر کسی امتیاز کے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے کسی زمین یا جائداد کے بارے میں ان پر دعویٰ کر دیا۔ وہ حاضر ہو گئے اور قاضی سے کہلا بھیجا کہ میں عدالت میں حاضر ہو رہا ہوں میرے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ مقدمہ میں انھیں کو کامیابی ہوئی تو انھوں نے اپنا حق معاف کر دیا کہ میرا پہلے ہی سے یہ ارادہ تھا لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ شاید عدالت میں حاضر نہ ہونے کا سبب میرا تکبر ہو اس لئے میں حاضر ہو گیا۔ اب میں اپنا حق معاف کرتا ہوں یہ کہکر وہ جائداد انھوں نے اس کو دے دی۔

(باقی آئندہ)

ہندوپاک کا سب سے پہلا عربی اخبار

الرائد

جو ہر دوسرے ہفتہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی عربی انجمن "النادی العربی" کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔

الرائد برابر پانچ سال سے نکل رہا ہے اور علمی مقالات، ثقافتی خبریں۔ تبصرے عالم عربی واسلامی کے مختلف علمی، ثقافتی حالات ملک کے عربی داں حلقہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔

صاحب الامتیاز: مولانا محمد رابع ندوی ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

بدل اشتراک: ہندوپاک سے سال بھر کیلئے ۴/- روپے

غیر ممالک سے " " ۷/- "

دفتر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (یوپی)

پرنٹر پبلشر ایڈیٹر محمد الحسنی نے شاہی پریس نعمت اللہ روڈ لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

بقیہ مجدد الف ثانیؒ

بدیع الدین کی طرف سے صفائی مقصود نہیں لیکن فاضل محترم نے جو تنقیص نگاری کے جوش میں کچھ کا کچھ لکھ دیا ہے وہ عرض کیا گیا ہے۔ پھر محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ بدیع الدین کے جوش کی وجہ سے حضرت مجددؒ کو قید ہونا پڑا۔ بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور اس قید کے لئے مکتوب یازدہم بھی ایک حیلہ بن سکتا ہے جیسا کہ توزک جہانگیری میں آتا ہے (حالانکہ مکتوبات نمبر ۱۹۲ - ۲۰۲ میں وضاحت بھی کی جا چکی ہے) لیکن حقیقت کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے جسکا اعتراف خود جہانگیر نے کیا ہے۔ وہ جلوس چہاردہم (۱۰۲۸ھ کے ضمن میں لکھتا ہے (باقی)

بقیہ حاشیہ ص سے آگے ———

لاہور ۱۳۲۲ھ ص ۲۰۴ - ۳۰۴۔ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از مولانا محمد حسن۔ لاہور ص ۲۳۲ بعید۔ عجب بات ہے کہ فاضل محترم نے بدیع الدین کی خامی کو طشت از بام کرنے کی کوشش کی لیکن اکبر نے جو ہندو بیویوں کی وجہ سے پورا ماحول کافرانہ و مشرکانہ بنا دیا تھا اس کی تعریف فرمائی تھی کہ وہ توروحانی نظام قائم کر رہا تھا۔ دیکھیں ان کی کتاب ص ۱۲۰۔

ایک ضروری اعلان

کتب خانہ ندوۃ العلماء میں عارضی طور پر ایک ایسا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ سارے خطوط اور کاغذات جمع کئے جا رہے ہیں، جن سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اور ان کی دعوت اصلاح و تبلیغ پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہو اس سلسلہ میں کتب خانہ میں ایک الماری مخصوص کر دی گئی ہے اور ایک اچھا خاصا سواد اکٹھا بھی ہو گیا ہے۔ جن حضرات کے پاس حضرت مولانا کے خطوط اور اس سلسلہ کے کاغذات ہوں وہ براہ کرم حسب ذیل پتہ پر ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

محمد مرتضیٰ

ناظر کتب خانہ، ندوۃ العلماء

بادشاہ باغ، لکھنؤ ۷

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ندوۃ العلماء — **ذرائع تعاون** — لکھنؤ

● سب سے بڑا تعاون مجلس کی مطبوعات لٹریچر کو صحیح جگہوں پر پہنچانا اور انکی اشاعت

● مجلس کے کاموں کیلئے مستقل عطیے، مثلاً:

(الف) رکنیت دوامی (لائف ممبری) جو صاحب پانچسو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے لائف ممبر شمار ہونگے۔ لائف ممبر کو مجلس کی مطبوعات ہمیشہ بلاقیمت فراہم کی جائیں گی۔

(ب) ہمدرد۔ جو حضرات دوسو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے ہمدرد شمار ہونگے مجلس ہمدرد کو پانچسال تک اپنی مطبوعات بلاقیمت پیش کریگی۔

(ج) معاون۔ جو حضرات پچیس روپئے عنایت فرمائینگے وہ مجلس کے معاون شمار ہونگے مجلس انھیں اپنی اولین کتاب "مقالات سیرت" بلاقیمت اور بقیہ تمام مطبوعات رعایتی قیمت سے فراہم کرے گی۔

اس کے علاوہ غیر مستقل عطیے اور مفید مشورے اس اہم کام کی ترقی وتقویت اور کارکنان مجلس کی ہمت افزائی کا باعث ہوں گے۔

• آج ہی رکنیت کا فارم پُر کر کے اپنی علم دوستی۔

• اور اسلام نوازی کا ثبوت دیجئے •